

ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما

۱۳۹۷

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک دوسرے کی مدد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ اُبْدِعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ فَقَالَ مَا عِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا اَدُلُّہٗ عَلٰی مَنْ یَّحْمِلُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ ۔

ابو سعید انصاریؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میری اونٹنی تھک کر چور ہو گئی ہے۔ میری سواری کا بندوبست کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تو نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص بولا کہ اے رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسا آدمی بتاتا ہوں جو اس کو سواری دے دے گا — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو کسی نیک کام کے کرنے کا موقع دے اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کام کے کرنے والے کو ملے گا۔

اس حدیث میں باہمی میل جول کا ایسا قاعدہ بتایا ہے کہ جس پر اسلامی سوسائٹی کا دار و مدار ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت آپس میں ایک دوسرے کی مدد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص خود ذاتی طور پر ضرورت مند کی مدد کرنے کے لائق نہیں تو وہ کسی ایسے دوسرے شخص سے سفارش کر دے جو مدد کر سکتا ہو۔ اس صورت میں سفارش کرنے والے اور مدد کرنے والے دونوں کو ثواب ملے گا۔

حدیث میں ایک ایسی ضرورت کا بیان ہے جس کے پورے ہوئے بغیر سارے کام رک جاتے ہیں کیونکہ اگر کسی کی اونٹنی تھک کر چور ہو جائے تو وہ گویا چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ اسی پر اور ضرورتوں کو قیاس کر لینا چاہیے۔

مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں ہر ایک کی ضرورت کا علم ہونا چاہیے۔ اور ضرورت مند کو بھی جس کی ضرورت بہت سخت ہو۔ اپنی ضرورت مسلمانوں کے سردار کو جتا دینی چاہیے۔ اگر خود سردار کے پاس اس وقت کچھ نہ ہو تو حاضرین میں سے جس کو مقدور ہو اس کی ضرورت پوری کر دینی چاہیے۔ اگر خود پوری نہ کر سکے تو ضرورت مند کو ایسے آدمی کے پاس بھیج دے جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے۔

عقلمند اس حدیث پر تھوڑا سا غور کرنے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو کس قدر سیدھے سادے طریقے سے رہنا سکھانا چاہتا ہے۔ جس میں کسی کی ضرورت اٹکی نہیں رہ سکتی — اور اور حقیقت میں انسانوں کے مل جل کر رہنے کا مقصد بھی یہی ہے ورنہ پھر مل جل کر رہنے میں اور الگ رہنے میں کیا فرق ہو گا۔ اگر ایک شخص شہری اجتماعی زندگی اختیار کرتا ہے اور پھر بھی ضرورت کے وقت اسے پریشان پھرنا پڑتا ہے تو وہ تو اسی شخص کے برابر ہے جو جنگل میں تنہا پھنس گیا ہو۔

اس حقیقت کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص بے ضرورت سوال نہ کرے۔ اور ضرورت کے وقت بھی سوال ہر ایک سے نہ کرے بلکہ سردار جماعت سے کرے اور سردار جماعت کے پاس یا تو اتنا سامان ہونا چاہیے کہ وہ ضرورت مند کی وقت پر مدد کر سکے یا اس کے ارد گرد کے لوگوں میں سے جس کے پاس مدد کا سامان ہو وہ فوراً ضرورت مند کو مدد پہنچائے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے میں لالچ اور بخل کو ہرگز روا نہ رکھے۔ اسلامی معاشرہ کا امتیازی نشان ایک دوسرے سے میل جول کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ نیز جہاں تک ہو سکے ایک دوسرے کے لیے باعث زحمت نہ بنے۔

جلد ۲۳ شمارہ ۱۸/۱۹

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

۶-۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ ● ۱۸-۲۵ نومبر ۱۹۷۷ء

رئیس الادارہ: جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور ○ رئیس التحریر: حضرت مولانا مفتی محمود ○ مدیر: محمد سعید الرحمن علوی

اُسوۂ ابراہیمی

سینکڑوں نہیں ہزاروں سال پہلے اللہ کا ایک بندہ ایسے گھر میں پیدا ہُوا جہاں بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ جس کا باپ اس سے آگے بڑھ کر بت پرستی کے قبیح مشغلہ میں مشغول تھا۔ اس بندہ خدا نے گھر سے نکل کر دیکھا تو وہاں بھی اسے چاروں طرف شرک کی گندگی و نجاست نظر آئی۔ اس نے لوگوں کو فکر کی اس پستی میں مبتلا دیکھا کہ وہ بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ نمرود کے آستانہ جبر پر جبینِ نیاز جھکاتے ہیں اور وقفہ وقفہ کے بعد آسمان پر طلوع ہونے والے چاند، سورج ستاروں کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ وہ بندہ خدا جسے رب کائنات نے اپنی "دوستی" کے لازوال شرف سے نوازا اور جسے "رشد" کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا تھا اس نے توفیق ایزدی سے ان مختلف النوع "بتوں" کو توڑنے اور جبر و تشدد کی اندھیر گردی کے خلاف منظم جہاد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اللہ کا دوست تھا۔ اللہ نے اسے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور اس میں ایک نبی والی عزم و ہمت تھی۔ اس کے خیالات کی بلندی اور اس کی سوچ کی رفعت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ اس بندہ خدا کا نام ابراہیم تھا صلوات اللہ علیہم و سلامہ۔

وہی ابراہیم جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مختلف سورتوں میں محبت بھرا تذکرہ کیا ہے۔ جن کو قادر و قیوم نے دنیا کی امامت و قیادت کے لیے منتخب فرمایا۔ سوچیں تو سہی کہ یہ اعزاز قیادت و سیادت اسے کیونکر ملا؟ رب کریم فرماتے ہیں کہ رب ابراہیم نے ابراہیمؑ کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالا۔ اس نے آزمائش کے اس تنور کو کمال عزم و ہمت سے عبور کیا۔ اور اس مرحلہ پر پہنچ کر رب کائنات نے "امامت کبریٰ" کا تاج زریں اس کے سر پہ رکھ کر اسے بلند و بالا کر دیا۔ جی ہاں اس کی عظمت کو لازوال بنا دیا۔

اس مرحلہ پر یہ سوال کر کے کہ یہ "اعزاز" میری اولاد میں بھی برقرار رہے گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے دراصل ایک بڑی گتھی سلجھا دی۔ اگر وہ یہ سوال نہ کرتے تو "ناخلف" بھی "صاحبزادگی" کے چکر میں دنیا کے لیے مصیبت و فتنہ کا باعث بنتے۔ رب ابراہیم نے واضح کر دیا۔ کہ تیری وہ اولاد جو تیرے اخلاق و کردار کی وارث ہوگی وہ تو اس اعزاز کی مستحق ہوگی رہ گئے "ظالم" تو "لا ینال عہدی الظالمین" وہ اس شرف سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس اٹل اور واضح جواب نے "ناخلف اولاد" کا پتہ کاٹ دیا۔ اور واضح کر دیا کہ پیغمبر زادگی، پیرزادگی اور صاحب زادگی اللہ کے نزدیک معیار بزرگی و شرافت نہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک جس چیز کی

قدر و قیمت ہے وہ ہے "ایمان کی لازوال دولت"۔ اور جو مومن تھے انہیں جیسے رب کائنات نے نوازا وہ تاریخ کی زندہ حقیقت ہے۔ آخر اسمٰعیل و اسحٰقؑ، یعقوب و یوسف اور آخر میں محمد رسول اللہ علیہم صلوٰت اللہ و سلامہ "خلیل" کی اولاد میں سے تو تھے پھر ان کو جس طرح نوازنے والے نے نوازا اس سے کون انکار کرے گا۔ اور جی ہاں ابوجہل و ابولہب اور عتبہ و ابوطالب کو بھی "ابراہیمی" ہونے کا دعویٰ تھا اور یہودیت و نصرانیت کے علمبردار بھی "ابراہیمی" ہونے کے مدعی تھے لیکن اللہ تعالےٰ نے ان سب کی نسبت کو غلط قرار دے کر واضح فرما دیا کہ اس عظیم المرتبت ہستی سے نسبت و قرب صرف اور صرف اس نبی محمدؐ کریم (علیہ السلام) اور ان کے معتقدین کو حاصل ہے۔

آئیے آج ان لمحات میں جبکہ ہم نے اور سب نے ابراہیمی یاد کے طور پر "قربانی" کا یہ خیر انجام دینا ہے "ابراہیمی قربانیوں" پر ایک نظر ڈالیں کہ اس سے ابراہیم علیہ السلام کے "منصب امامت" پر سرفراز ہونے کی وجوہات بھی معلوم ہو جائیں گی۔ کیونکہ بات امتحان و ابتلاء کی ہو رہی تھی اور ابتلاء و امتحان کی دشوار گزار وادیوں کو قطع کرنے کا نام ہی تو قربانی ہے۔

اس "بندہ" کی سیرت مبارکہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وہ سب سے پہلے اپنے گھر کی اصلاح کی فکر کرتا ہے، باپ کو سمجھاتا ہے کہ باپ کی سنگدلی و شقاوت و سنگدلی کا عجیب عالم ہے کہ وہ اس کے جواب میں ابراہیمؑ کو "سنگسار" کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا۔ ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھ کر یہ ماحول کفر و شرک کی تاریکیوں کا بری طرح شکار ہے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور باپ و گھر کو الوداع کہہ کر ان دیکھی منزل کی طرف چل پڑتے ہیں لیکن انہیں یقین ہے کہ راہِ حق کے "مہاجر" برباد نہیں ہوتے بلکہ قدرت کی فیاضی آگے بڑھ کر ان کو نوازتی ہے اور بے پناہ!

وہ قوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن قوم سننے کے لیے تیار نہیں وہ بڑے حسین پیرایوں میں قوم کو سمجھاتے ہیں لیکن ذلت کی ماری قوم سمجھتی نہیں۔ آخر ابراہیم علیہ السلام آسمان کی رنگینیوں میں ظاہر ہونے والے دیوتاؤں سے کھلم کھلا برأت کا اظہار کر دیتے ہیں اور صرف ان کے "خالق کے آستانہ قدس پر جھکنے کا اعلان فرما دیتے ہیں۔ اور جی ہاں زمینی دیوتاؤں کی نگرانی میں جا کر ان کا جو حلیہ بگاڑتے ہیں تو نمرودیت چیخ اٹھتی ہے۔ اندھی بہری قوم آگ میں جلانے کا منصوبہ بناتی ہے لیکن قدرت کی دستگیری پہ اسے بھرپور اعتماد حاصل ہے اس لیے آگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

اس نے نمرود کے دربار میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی عظمت و کبریائی پر جو دلائل دئے تو نمرود اپنی سطوت ظاہری کے باوجود مبہوت ہو کر رہ گیا اس خلیل اللہ کی زندگی کا ایک حصہ تو یہ تھا اور پھر دوسرا حصہ "ہجرت" سے عبارت ہے۔ اس میں وطن کو چھوڑنا قوم سے لاتعلقی اختیار کرنا اور بڑھاپے میں اللہ کی دی ہوئی معصوم اولاد کو اوجھل کرکے وادی غیر ذی زرع میں بسانا اور قدرت کا اشارہ پا کر بیٹے کو راہ حق میں قربان کرنا ہے۔

اس کے عزم و ارادہ کی کیا حد ہے کہ وہ ہر جگہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور پھر اللہ کو اس کی ادائیں پسند آ جاتی ہیں۔ اور وہ امام و مقتدار قرار دیا جاتا ہے اور انبیاء سابقین میں سے وہ تنہا ہے جس کے اسوۂ حسنہ اور طریق زندگی کو بطور نمونہ اللہ نے امت محمدیہ کے سامنے پیش کیا (قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ)

آج ہم میں سے بہت ایسے ہیں جو اس کی سنت سمجھ کر "قربانی" کا عمل بجا لاتے ہیں۔ اور بہت سارے ایسے ہیں جو حرمین کی مقدس فضاؤں میں جا کر اس کے آثار کو دیکھتے ہیں۔ اس کے بنائے ہوئے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اس کی اہلیہ کی یاد کے طور پر صفا مروہ پر دوڑتے ہیں اور اس کے معصوم اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی کی رگڑ سے پیدا ہونے والے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ بلکہ تبرک کے طور پر بھر بھر کر لاتے ہیں۔ اس کے طریق کے مطابق "شیطان" پر کنکریاں پھینکتے ہیں۔ لیکن آہ! کہ اس جیسا جوش عمل، اس جیسا عزم، اس جیسی بصیرت ناپید ہے۔ مغضوب و مغضوب قوموں کے طور طریقے ابراہیم و محمدؐ علیہما السلام کے نام لیواؤں کی زندگی میں رچ بس چکے ہیں۔ اہل کفر و ضلالت سے بیزاری کا واضح اعلان کہیں نظر نہیں آتا۔ اور شیطانی و طاغوتی طاقتوں سے کوئی نبرد آزما نہیں ہوتا کیا فائدہ اس طواف و سعی کا اور کیا فائدہ اس قربانی کا جو بندہ کو صحیح معنوں میں اپنے رب سے نہ ملائے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم



اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

محترم حضرات و خواتین ! سورۃ کوثر کی تشریح ہو رہی تھی ۔ پچھلے جمعہ اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت کی تشریح و تفسیر بیان کی گئی تھی ۔ آج اس کی دوسری آیت "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کی تشریح و توضیح ہو گی ۔

سابقہ آیت میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "خیرِ کثیر" یعنی ہر طرح کی دنیوی اور اُخروی نعمتوں سے مالا مال کرنے کا ذکر تھا ۔ اور اس آیت میں ان انعاماتِ جلیلہ و کثیرہ پر شکر کرنے کا حکم ہے ۔

حضرات گرامی قدر ! اللہ تعالیٰ اُس بندے کو بہت محبوب رکھتا ہے جو اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کی قدر کرتا ہے اور اس کی عطایا پر اس کا شکر ادا کرتا ہے ۔ وہ کمینہ شخص خدا کو ہرگز پسند نہیں ہوتا جو اس کی نعمتوں سے متمتع تو ہوتا ہو مگر اس کا شکر ادا نہ کرتا ہو ۔ اور اس کی نعمتوں کی قدر نہ کرتا ہو ۔ ارشادِ خداوندی ہے ۔ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۔ میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو ۔

شکر سے دراصل شاکر ہی کو فائدہ ہوتا ہے ۔ حق تعالیٰ کو کسی کی شکرگزاری کی مطلق ضرورت نہیں ۔ ساری دنیا دن رات اس کا شکر ادا کرے تو اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ اور تمام کائنات نافرمانی کرے تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بگڑ نہیں جاتا ۔ بقول بزرگے ۔ بعض نے حق جَلَّ مجدہٗ کی عبادت کے لیے دن رات ایک کر دیا ۔ مگر اس سے اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچا ۔ اور ابلیس اپنی طویل ترین زندگی اس کی نافرمانی میں گزارنے پر کمربستہ ہوا مگر خدا کا کوئی نقصان نہ ہوا ۔ گویا مخلوق کی اطاعت یا بغاوت سے خدا کا نہ تو کچھ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے ۔ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ۔ تو جو شکر کرتا ہے وہ خدا کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ۔ بلکہ وہ اپنے آپ سے بھلا کرتا ہے اپنا فائدہ کرتا ہے ، خود نفع میں رہتا ہے ۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لیے شکر کرتا ہے ۔

اور جو کوئی کمینہ بن کر کفرانِ نعمت کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے ۔ ارشاد ہے ۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۔ شکر کرو گے تو جو نعمت دی ہوئی ہے اس میں بھی اضافہ کر دوں گا اور مزید نعمتوں سے بھی نوازوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو پھر یاد رکھو کہ میرا عذاب سخت ہوتا ہے ۔ اور اس ناشکری اور کمینہ پن کا انجام بُرا ہو گا ۔

وَلنعم ما قال

۵ شکرِ نعمت نعمتت افزوں کند
کفرِ نعمت از کفت بیروں کند

یعنی شکر کروگے تو نعمت بڑھے گی اور اگر کفرانِ نعمت کا ارتکاب کروگے تو جو نعمت ملی ہوئی ہے اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوگے۔

حضرات گرامی قدر! ہوشمند اور باسعادت وہ ہے جو خدا کی نعمتیں پاکر فرعون و نمرود کی طرح سرکشی اختیار نہ کرے۔ بلکہ اس کا احسان مانے اور انعامات پر اس کا شکر ادا کرے اس کی طاعت و عبادت بجا لائے۔ اور اس کی نافرمانیوں سے بچے۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالےٰ یہ پسند کرتے ہیں کہ جس بندہ کو وہ کوئی نعمت دے تو وہ اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرے۔ اس کی طاعت و عبادت بجا لائے اور اس کی نافرمانی سے بچے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ یہ پسند کرتے ہیں کہ جس بندہ کو وہ کوئی نعمت دے تو وہ اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرے۔ چنانچہ یہاں بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اداءِ شکر کی تعلیم دی گئی ہے ــــ ارشاد ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اے رسول! جب ہم نے آپ کو فقید المثال انعامات و عطایا سے نواز دیا ہے تو اب آپ ہمارا شکر ادا کریں۔ اس طور پر کہ ہمارے ہی لیے نماز پڑھیں۔ یعنی بدن سے اظہارِ تشکر کریں اور ہمارے ہی لیے قربانی کریں۔ یعنی مال و جان دونوں ہی سے میرے احسانات و انعامات کا شکر ادا کریں۔

اب آیئے دیکھیں کہ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شکر کس طرح ادا کیا اور اس آیت پر کیسے عمل فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ مت پوچھو کہ پہلی چار رکعتیں کس قدر طویل اور کس قدر پُرلطف ہوتی تھیں۔ اور نہ پوچھو کہ (ان کے بعد والی) چار رکعتیں کس قدر طویل اور کس قدر پُرکیف ہوتی تھیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتوں میں چار سورتیں سورۃِ بقرہ، سورۃِ آلِ عمران، سورۃِ نساء، سورۃِ مائدہ یا سورۃِ انعام ختم کیں۔

غور فرمائیں چار بڑی بڑی سورتیں چار رکعتوں میں پڑھیں جو کئی پاروں پر مشتمل ہیں۔ اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضورِ اکرمؐ کا پڑھنا کوئی عام لوگوں کی طرح نہ ہوتا تھا بلکہ آپ نہایت ٹھہر ٹھہر کر اور بڑے ذوق و شوق سے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے جب ضعف بڑھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر قرأت فرمایا کرتے تھے اور جب چالیس آیات رہ جاتیں تو کھڑے ہوکر پڑھا کرتے تھے۔

آپ کے اس قدر مجاہدہ و ریاضت کو دیکھ کر ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو معصوم و مغفور ہیں پھر اس قدر ریاضت کیوں فرماتے ہیں کہ پاؤں مبارک متورم ہو جاتے ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ کیا میں خالق کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔

یہ تو تھا آپ کی نمازوں کا حال۔ قربانی کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے سو اونٹوں کی قربانی فرمائی۔ سو اونٹ تو شاید کسی بادشاہ نے بھی کبھی قربان نہ کئے ہوں۔ روایت میں آتا ہے کہ ان سو اونٹوں میں تریسٹھ اونٹوں کو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمایا۔ اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر کئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آقائے کائنات برچھا لے کر نحر کے ارادے سے اونٹوں کی طرف بڑھتے تو اونٹ بجائے بدکنے اور بھاگنے کے آپ سے حضورؐ کی طرف بڑھ آتے۔ گویا ہر ایک اونٹ زبانِ بے زبانی سے یہ کہتا ہوا آپ کی طرف بڑھتا کہ حضور! پہلے مجھے اپنے مبارک ہاتھوں سے ذبح کرنے کا فخر بخشیں۔

حدیث کے الفاظ ہیں کُلُّھُنَّ یَزْدَلِفْنَ اِلَیْہِ
یعنی سب اونٹ آپ کی طرف کھسکتے جا رہے تھے۔
یہ شعر تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یعنی جنگل کی تمام ہرنیوں نے اپنا اپنا سر اس امید پہ اپنی ہتھیلی پہ رکھ رکھا ہے کہ کسی روز محبوب شکار کے لیے آئے گا۔ (گویا محبوب کے ہاتھوں شکار ہونے کی حسرت رکھتی ہیں)

یہ شعر کسی اور محبوب کے لیے تو محض ایک شاعرانہ تخیل ہی سمجھا جائے گا مگر محبوبِ خدا کے لیے ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس موقعہ پر موجود صحابہ کرام ؓ نے مشاہدہ فرمایا کہ آپ کے ہاتھوں اونٹ اپنا گلا کٹوانے کے شوق میں آپ کی جانب بڑھنے میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔

کوئی کیا جانے کہ جن اونٹوں کو آپ کے دستِ مبارک سے گلا کٹوانے کی سعادت میسر نہ آئی۔ ان کے دل پر کیا گذری ہوگی اور انہیں اپنے ان ہم جنسوں کی قسمت پر کتنا رشک آیا ہوگا جن کی مرادیں بر آئیں ؎

تجھے وہ شاخ سے توڑیں زہے نصیب ترے
تڑپتے رہ گئے گلشن میں سب رقیب ترے

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ نماز پڑھنے میں کوئی کسر رہنے دی ہے اور نہ ہی قربانی میں۔ اور دن رات منعمِ حقیقی کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔

آئیے! ہم بھی اپنے اس خدائے بزرگ کے شکر گزار بندے بن جائیں جس نے ہمیں بے شمار نعمتیں بخشی ہیں۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا اور جن میں ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے شرف سے نوازا ؎

نبی ہم کو دیا ہے مصطفیٰ ؐ سا
کوئی اس سے بڑی نعمت نہیں ہے

حق تعالیٰ ہمیں اپنے شکر کی توفیق بخشے اور حوضِ کوثر سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے سیراب فرمائے اور صلحاء کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین!

ہم نے گوشت خوری اور عید کے اجلے لباس کو ہی سب کچھ سمجھ لیا، جبکہ عید کے دن پانچ کے بجائے چھ نمازوں کا اہتمام دلیل ہے اس بات کی کہ انسان عبادت و بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور خوشی و غمی کی ہر گھڑی مالک سے تعلق استوار رکھنا ضروری ہے۔

اور جانور کے حلقوم پہ چھری چلانے کا مقصد یہ ہے کہ ہر خواہش و تمنا راہ حق میں قربان کرنے کا عزم کرتا ہوں۔ یقین کریں کہ عید کا یوم سعید اگر اس مبارک انقلاب کا باعث نہیں بنتا تو سب عبث ہے اور سب بیکار۔

علوی یکم ذوالحجہ

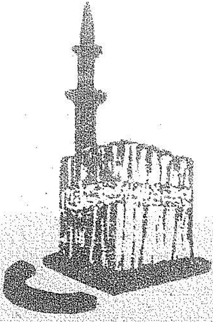
انتہائی افسوس

سیاست کی دنیا میں بے پناہ تجربے والے اور پارٹیاں بنا بنا کر دوسروں کے سپرد کرنے نیز اتحاد و اتفاق کے عجیب عجیب انداز اختیار کرنے والے اصغر خاں "اتحاد" کے بجائے انتشار کی راہ پر چل پڑے۔ انہوں نے آخر اس خطرہ کو حقیقت کا رنگ دے ہی دیا۔ جس کا احساس عوام کو کئی دن سے ہو چکا تھا۔ ائر مارشل صاحب جب ہماری سیاست کا ایک ایسا عنصر ہیں جن کو ثبات و قرار نصیب نہیں۔ اور ان کی مختصر سیاسی زندگی اس پر دال ہے۔

یہ فیصلہ انتہائی افسوسناک نہیں بلکہ شرمناک ہے' یہ غداری ہے ان شہیدوں کے خون سے جنہوں نے کسی بلند مقصد کے لیے قربانی دی تھی۔ آج دکھی ہیں وہ خواتین جن کے دوپٹے اور جن کا ہار سنگھار ظالموں نے چھین لیا۔ اور وہ بیوگی کا شکار ہو گئیں۔ آج چمن کی روش روش اور پتہ پتہ اداس ہے۔

یہ خوب ہے کہ افتراق کی راہ پر چل کر بھی "نظام شریعت" کے لیے تعاون کا اعلان ہو رہا ہے۔ کوئی پوچھے ہواؤں میں اڑنے والے اس سیاست دان سے کہ جناب والا! یہ روش نفاق و افتراق کون سے اسلام میں جائز ہے؟

تفصیلی تبصرہ آئندہ کسی وقت پر اٹھا رکھتے ہوئے ملک و ملت کی سلامتی کے لیے ہم دعا گو ہیں۔



عام الفیل

قومِ سبا کی اولاد بنی حمیر اور بنی کہلان کے بادشاہوں کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے سرزمین یمن پر حکمران چلا آتا تھا۔ طویل دور گزر گیا۔ اس سرزمین میں انبیاء و رُسل بھی مبعوث ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اس کے شاہی تخت پر زُرعہ بن تبانؔ اسعد المعروف ذو نواس متمکن ہوا۔ اس نے یہودیت کو گلے سے لگایا اور اس کی حمایت میں اپنی شاہانہ طاقت کام میں لانے لگا۔ چنانچہ تمام غیر یہودی اقوام سے جنگ مول لینے لگا۔ یمن کے شمال میں جو اہلِ نجران کی قوم آباد تھی۔ اور نصرانیت کو اپنائے ہوئے تھی۔ زرعہ نے سب سے پہلے ان کے خلاف جنگی صفیں ترتیب دیں۔ جا بجا ان کے لیے گڑھے کھود کر آگ کے آلاؤ روشن کیے۔ جو ان میں سے اپنے دین کا منکر نہ ہوتا۔ اس کو آگ میں جھونک دیتا۔ یہ تمام کاروائی یہودیت نوازی پر مبنی تھی۔ اس آتشیں عذاب سے دَوس ذو ثعلبان نامی ایک شخص بچ نکلا۔ وہ دُو بڑی مسیحی طاقتوں قیصرِ روم اور نجاشی حبشہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اُس نے ذوالنوس سے انتقام لینے کو ان دونوں طاقتوں سے امداد کی درخواست کی کہ نجران میں عیسائیت کو آزادی کی فضا سے دوبارہ ہم کنار کیا جائے۔ حُسنِ اتفاق سے شاہ نجاشی اور قیصرِ رُوم دونوں نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ شاہِ حبشہ نے حبشہ کے نوجوانوں پر مشتمل ایک عظیم لشکر روانہ کیا۔ اور قیصر نے جہاز روانہ کیے۔ جنہوں نے اس حبشی فوج کو حبشہ کے ساحل سے یمن کی بندرگاہ تک پہنچانے کا ذمہ لیا۔

یہ جنگ ذونواس کو بہت مہنگی پڑی۔ اس نے بُری طرح شکست کھائی۔ پناہ لینے کی خاطر سمندر میں کود پڑا اور غرق ہوگیا۔ حبشی فوج کامرانی کے جھنڈے لہراتی ہوئی یمن میں داخل ہو گئی۔ اور اس طرح یمن عیسائیت کے پرچم تلے آگیا۔

حبشہ کو یمن پر قابض ہوتے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ حبشی حکومت کا نمائندہ اور رئیسِ افواج ارباط نامی عرصہ تک حکمران رہا اور اس کے بعد قائدِ افواج ابرہہ کی سلطنت مستحکم ہوئی۔

ابرہہ نے دیکھا کہ اہلِ یمن خاص موسم میں بڑے بڑے قافلے بنا کر نہایت اہتمام سے مکہ میں بیت اللہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔ اس سفر کی تیاری بڑے تزک و احتشام سے کی جاتی ہے۔ اس کو یہ گوارا نہ ہوا لہٰذا صنعاء میں ایک زیارت گاہ تعمیر کرائی۔ جس سے مقصد یہ تھا کہ اہلِ یمن اور تمام اہلِ عرب کی توجہ بیت اللہ سے پھیر کر اس مصنوعی زیارت گاہ پر مبذول کی جائے۔

اس نے نہایت خوبصورت، بلند و بالا ایک گرجا قُلیّس کے نام پر تعمیر کیا۔ پُرشکوہ عمارت اور پچی کاری کے کام سے مزیّن دیواریں بنوائیں اور قیمتی موتیوں اور جواہرات سے چھتوں کو آراستہ کیا۔ اس تمام کاروائی سے اس نے مرکزی حکومت یعنی شاہِ حبشہ کو بھی اطلاع دی۔ جس پر اس نے ابرہہ کے اس کارنامہ کی تحسین کی۔ اور کلی طور پر اس سے اتفاق کیا۔

لیکن اس حرکت سے اہلِ عرب جل گئے۔ ایک شخص نے تو حد کر دی۔ رات کو کسی موقعہ پر کنیسہ کی محراب غلاظت و نجاست سے گندی کر ڈالی۔

ابرہہ نے غضب ناک ہو کر قسم کھائی کہ وہ مکہ جا کر اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا جس کی زیارت کو ہر سال اہلِ عرب جمع ہوتے ہیں۔ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی اور حبشی فوج کا ایک عظیم لشکر ترتیب دیا۔ لشکر کی کمان خود ابرہہ نے کی وہ فوج کے آگے آگے نجاشی کے شاہی ہاتھی محمود نامی پر سوار تھا۔ یہ ہاتھی خاص اسی مقصد کے لیے نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا تھا۔ تاکہ اس ہونے والی جنگ میں جلد سے جلد حبشی فوج کو کامیابی نصیب ہو۔

ابرہہ مکہ پر چڑھائی کی نیّت سے زبردست فوج کے ہمراہ مغرورانہ انداز میں نکلا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کعبہ کو ضرور منہدم

کر کے لوٹوں گا۔

ابرہہ کا عزم یمنی قبائل اور اکثر اہلِ عرب کو معلوم ہو چکا تھا
تمام قبائل میں ابرہہ کے خلاف نفرت و غصہ کی لہریں دوڑ رہی تھیں
ان کو ایک گھڑی کے لیے بھی یہ گوارا نہ تھا کہ ان کی زیارت گاہ
خانۂ کعبہ کو کوئی نقصان پہنچے۔ قبائل کے سربرآوردہ لوگوں اور
نوجوانوں نے عزم کیا کہ ابرہہ کے لشکر کو کچل کر رکھ دیں گے
لہذا خانۂ کعبہ تک پہنچنے کا راستہ اس کے لیے اس قدر تنگ کر
دیا کہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھ سکے۔

یمنی سرداروں میں سے ایک سردار جس کا نام ذو نفر تھا۔
اپنی قوم کے بہادروں کے ساتھ ابرہہ کے مقابلہ کو نکلا۔ متفرق
قبائل عرب کے کچھ اور نوجوان بھی آ کر ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔
یہ لوگ حبشی فوج کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں
نے اپنی جنگی صفیں درست کیں اور تیروں، نیزوں سے فوج کا مقابلہ
کرنے لگے۔ دونوں طرف سے خونریز جنگ ہونے لگی۔ لیکن کثرتِ
سازوسامان اور زبردست فوج کی وجہ سے ابرہہ کو کامیابی ہوئی۔
ذو نفر کو قید کر کے ابرہہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ ابرہہ نے
حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ مگر ذو نفر نے ابرہہ سے
درخواست کی کہ اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر۔ بہت ممکن ہے
میری زندگی تیرے لیے کار آمد ثابت ہو۔

لہذا ابرہہ نے اس کو قید کر دینے کا حکم دے دیا۔
اور قتل کی سزا معاف کر دی۔ اس نے حکم دیا کہ اس کو بیڑیوں
میں جکڑ دیا جائے۔ اور لشکر کے ساتھ ساتھ رکھا جائے۔

ابرہہ اپنے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ شمال کی طرف بڑھتا رہا
اس کا خیال تھا کہ ذو نفر کی فوج کی شکست کے بعد عربی
قبیلوں میں میری دھاک بیٹھ گئی ہو گی۔ اب میں بلا مقابلہ کامیاب
ہو جاؤں گا۔ اچھا ہوا۔ یہ جنگ میرے مقصد میں بڑی مفید
ثابت ہوئی۔ اب کوئی قبیلہ میری راہ میں حائل ہونے کا خیال
تک نہ کر سکے گا۔

لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ قبائل عرب میں سے جس قبیلہ
پر اس کا گزر ہو رہا تھا وہ قبیلہ ہی بیت اللہ کی مدافعت میں
ابرہہ سے جنگ کرنے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتا تھا۔ ان کے
نزدیک ضروری تھا کہ ابرہہ کے لشکر کے مقابلہ پر سینہ سپر ہو
کر اس کی قوت کو پارہ پارہ کر دے۔ ابرہہ کا عزم ان کے خیال
میں نہایت خوفناک گناہ کا عزم تھا۔ قبیلوں کے لوگ آپس میں باتیں
کر رہے تھے

کیا اس نووارد حبشی ابرہہ کو یوں ہی آزاد چھوڑ دینا چاہیے
کہ جس طرح چاہے جا کر کعبہ کی بے حرمتی کرے۔ یہ ہرگز نہیں
ہونے دیا جائے گا۔

چنانچہ لڑنے کے ارادہ سے خثعم کے قبائل میں سے دو قبیلے
شاہران اور ناہس اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان دونوں فوجوں کی
کمان نفیل بن حبیب خثعمی نے کی۔ لیکن ان دونوں قبیلوں کا انجام
بھی یمنی قبائل کے انجام سے کچھ مختلف نہ ہوا۔ یعنی عربوں کو
شکست ہوئی اور نفیل بھی ذو نفر کی طرح بیڑیوں میں پابجولاں
کر دیا گیا۔

نفیل نے ابرہہ سے معافی مانگتے ہوئے اور اس کا اطاعت
گزار رہنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا:

اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر۔ میں راہ میں تیرا رفیقِ سفر
بن کر رہنمائی میں مفید ثابت ہوں گا۔ دیکھو میرے دونوں ہاتھ
تیری فرمانبرداری اور اطاعت کے لیے دراز ہیں۔

ابرہہ آگے روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ اب راستہ بتلانے
والا راہنما بھی تھا جو صحرائے عرب کے وسط میں راستہ متعین
کرنے میں اس کو مفید ثابت ہوا تھا۔ اس طرح وہ چلتے چلتے
طائف کے قریب جا پہنچا۔

اہلِ طائف سراسیمہ تھے۔ ان کو شدید اضطراب نے
گھیر لیا۔ وہ خیال کرنے لگے کہ غالباً ابرہہ اپنے لاؤ لشکر سمیت
ان کے عبادت خانہ "لات" کو بھی اس طرح برباد کر ڈالنے
کا فیصلہ کر کے نکلا ہے جس طرح خانہ کعبہ کو برباد کر ڈالنا چاہتا
ہے۔ وہ لوگ لات کی پرستش اور تعظیم کرتے تھے۔ بعض
قبائل اس کی زیارت کو بھی اسی طرح آیا کرتے تھے جس طرح
خانہ کعبہ کی۔

طائف والوں کا ایک وفد ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔
عرض کی: اے بادشاہ! خدا را ہمارے معبد لات کو کوئی
نقصان نہ پہنچا۔ تو اس معبد کے ارادے سے نہیں نکلا۔ تیرا
مقصد صرف یہ ہے کہ مکہ پہنچ کر بیت الحج کو مسمار کرے۔

ابرہہ نے ان سے پوچھا: کیا مکہ یہاں سے دور ہے؟

انہوں نے جواب دیا: ہمارے اور اس کے درمیان
کئی روز کی مسافت ہے۔ ہم آپ کے ہمراہ راستہ بتلانے
والا آدمی کیے دیتے ہیں۔

ابرہہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اس نے طائف میں بسنے والے ثقیف کے قبیلوں سے اس پیش کش پر سمجھوتہ کر لیا۔ طائف والوں نے ایک شخص بطور راہنما ہمراہ کر دیا۔ اس شخص کا نام رغال تھا۔

ابو رغال ابرہہ کے لشکر کے ساتھ ہوگیا۔ وہ اور ابرہہ کا لشکر چلتے رہے۔ حتیٰ کہ اس نے اس لشکر کو مقام مُغمّس پر لا اتارا۔ یہ مقام مکہ سے دو تہائی فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ مقام مُغمّس پر پہنچ کر ابو رغال مرگیا۔ اس کی میت کو لشکریوں نے دفن کیا اور یہاں سے ابرہہ نے اپنے فوجی آدمیوں میں سے ایک آدمی اسود بن مقصود کو لشکر کی ایک مختصر جماعت پر متعین کر دیا۔ جن کا کام یہ تھا کہ راستہ کی دیکھ بھال کریں اور ارد گرد کے حالات کا اندازہ کریں۔

اسود اپنے ماتحتوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ وادیٔ مکہ کے قریب پہنچا اور وہاں سے اس نے بطحائے مکہ کا رُخ کیا۔ اس جگہ چند چرواہے اہل تہامہ اور سردارانِ قریش کی بکریوں اور اونٹوں کو چرا رہے تھے۔ اسود نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان مویشیوں پر دھاوا بول دیا۔ اور جس قدر ہاتھ لگے اپنے ساتھ ہنکا لیے۔ ان مویشیوں میں دو سو اونٹ عبد المطلب بن ہاشم کے بھی تھے۔ جو اس وقت قریش کے بہت بڑے سردار تصور کیے جاتے تھے۔

چرواہوں نے پریشان ہوکر کوہِ صفا میں پناہ لی۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے آقاؤں اور مویشیوں کے مالکوں کو پکار رہے تھے:

اے ہمارے آقاؤ! ہم لُٹ گئے۔ نووارد حبشیوں نے ہم پر ہلّہ بول دیا ہے۔ یہ ہماری چراہ گاہوں میں لوٹ مار کر رہے ہیں۔"

چرواہوں کا شور سُن کر قریش، کنانہ اور ہذیل کے کچھ نوجوان حالات کی خبرگیری کے لیے دوڑے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ابرہہ حبشی کی فوج مکہ کے قریب وجوار میں پہنچ چکی ہے۔ اور اس کا ارادہ صرف مال و مویشی لوٹ لینے تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں بیت الحج کو بھی مسمار کردیں۔

اہل مکہ غضب ناک ہوگئے۔ اپنے گھر بار اور مال و املاک کی طرف سے مدافعت کی۔ ان کو اس قدر فکر نہ تھی جس قدر خانۂ کعبہ کا تقدس و اجلال ان کو مدافعت کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ دفاعی حیثیت میں ان کا ارادہ ہوا کہ ان لٹیروں سے پہلے ہی نمٹ لیا جائے۔ اُن سے نہ صرف اپنے مویشی واپس لیے جائیں بلکہ ایسی سرزنش کی جائے کہ وہ بھی یاد رکھیں۔

لیکن . . . !! لیکن ان کی سرفروشی کے یہ ولولے سخت ترین غم و افسوس میں تحلیل ہوگئے۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان لٹیروں کے پیچھے جنگی سامان سے لیس اور ہر قسم کے اسلحہ سے بھرپور ایک زبردست لشکر پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ مکیوں کو اپنی کمزوری اور اپنی ناطاقتی کے احساس نے قدم اٹھانے سے روک لیا۔ وہ غم کے دریا میں غوطے کھانے لگے۔

معاملہ سر پر آور وہ لوگوں تک پہنچا۔ سب حیران تھے کہ کیا کریں؟ اور اس صورتِ حال سے کیونکر عہدہ بر آ ہوں؟!

اسود اہلِ مکہ کی چیزیں اور تمام مویشی لے کر ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ابرہہ نے اپنی فوج کے ایک چالاک و زیرک ترجمان حناط حمیری کو طلب کیا۔ یہ حمیری قبیلہ کا ایک یمنی باشندہ تھا۔ ابرہہ نے اس اس کو ترجمانی کے فرائض سونپتے ہوئے کہا:

حناط! مکہ جاؤ۔ شہر میں داخل ہوکر وہاں کے سرداروں سے ملو۔ ان سے کہو کہ ہمارا بادشاہ تم سے لڑنے نہیں آیا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کعبہ کا مسمار کیا جائے، اگر تم اس مقصد میں حائل نہ ہوئے تو مقابلہ اور خونریزی کی نوبت ہرگز نہ آئے گی۔ وہ فضول تمہارا خون بہانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ہماری اس پیش کش کو تسلیم کریں اور نہ لڑنے کا وعدہ کریں تو ان کے بڑے سردار کو ہمارے پاس لے آنا۔

حناط مکہ میں داخل ہوا تو اس نے لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ یہاں کے باشندوں میں بڑا سردار اور رئیسِ قوم کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔؟

اسے بتلایا گیا کہ وہ قریش کا رئیس قبیلہ عبد المطلب بن ہاشم ہے۔ لوگوں نے اس سردار کی بیٹھک کا بھی پتہ دیا۔ حناط عبد المطلب کی بیٹھک کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر ایک باوجاہت شیخ سے ملا، اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا . . .

عبد المطلب نے جواب میں کہا:

خدا کی قسم! ہمارا ارادہ بھی ابرہہ سے لڑنے کا نہیں۔ نہ ہم میں جنگ کی سکت ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ کا مقدس گھر ہے۔ جسے اس کے دوست ابراہیم (علیہ السلام) نے تعمیر کیا تھا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر کو بچانا چاہتا ہے تو وہ چاہے ابرہہ سے نمٹے اور چاہے ابرہہ کے ہاتھوں اسے تباہ کرائے۔

ہم درمیان میں دخل نہ دیں گے۔

حناطہ نے یہ سُنا تو عبدالمطلب سے کہا : اچھا تو میرے ساتھ بادشاہ سلامت کی خدمت میں چلو۔ مجھے حکم ملا تھا کہ میں آپ سے اس گفتگو کے بعد آپ کو بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوں۔

عبدالمطلب حناطہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ مکہ کے کچھ سربرآوردہ لوگ اور ان کے چند لڑکے بھی ہو گئے۔ راستہ کی گفتگو میں عبدالمطلب کو حناطہ سے عرب کے ان دو قبیلوں کا حال بھی معلوم ہوا، جو جنگ کے ارادے سے ابرہہ کے راستے میں حائل ہو کر لڑے اور بالآخر شکست سے دوچار ہوئے۔

نیز معلوم ہوا کہ ان قبیلوں کے سردار ذونفر اور نُفیل بن حبیب قیدی بنا کر ابرہہ اپنے ہمراہ لایا ہے۔

عبدالمطلب، ذونفر کا بڑا گہرا دوست تھا۔ وہ جب بھی حج بیت اللہ کو آتا تو دونوں میں گرمجوشی سے ملاقات ہوتی۔ عبدالمطلب بھی موسم سرما میں تجارتی غرض سے جب یمن جاتا تو ذونفر سے ضرور ملتا تھا۔ عبدالمطلب نے حناطہ سے کہا : اچھا ! مجھے ابرہہ کے پاس لے جانے سے پہلے ذونفر سے ملاؤ۔ کیونکہ میری اس سے پرانی جان پہچان ہے۔

عبدالمطلب لشکر میں پہنچا تو پہلے یہ ذونفر کے قید خانہ میں پہنچایا گیا۔ عبدالمطلب نے کہا :

ذونفر ! یار ! یہ جو مصیبت ہم پر آن پڑی ہے اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے اور تم کیا مدد کر سکتے ہو۔ ؟

ذونفر نے بڑے افسوس سے کہا :

عبدالمطلب ! ایک قیدی آدمی جو طاقتور بادشاہ کے پنجوں میں پھنسا ہوا ہے۔ تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے ؟ معلوم نہیں یہ مجھے صبح و شام میں کب قتل کر ڈالے ؟ تم پر جو مصیبت آئی میں اس میں تمہاری کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا۔ البتہ شاہی ہاتھی "محمود" کا ہاتھی بان اُنیس ایک بااخلاق آدمی ہے۔ وہ میرا دوست بن گیا ہے۔ میں اس کو یہ پیغام بھیجوں گا کہ وہ تمہارے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرتے ہوئے وقتِ ضرورت ابرہہ سے کوئی اچھی سفارش کر دے۔

عبدالمطلب نے کہا : بس بس ! میرے لیے یہی کافی ہے !!

ذونفر نے کسی کے ذریعہ اُنیس کو اپنے پاس بلایا اور کہا :

دیکھو ! یہ قریش کا سردار اور اہل مکہ میں سربرآوردہ ہستی عبدالمطلب ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو بھوکوں اور مسافروں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے۔ بھوکے پرندوں اور جانوروں کو روزی دیتا ہے۔ اپنے بادشاہ ابرہہ کے سامنے تمہیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔

انیس نے کہا : بے فکر رہو۔ میں اس کام کے لیے بخوشی حاضر ہوں۔

عبدالمطلب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو انیس نے اس کے متعلق ابرہہ سے اپنی نیک سفارش پیش کی۔ اس وقت ابرہہ ایک عظیم الشان خیمہ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شاہی خیمہ تمام لشکر کے وسط میں تھا۔ بادشاہ کے گرد قالینوں پر حسبِ مراتب کچھ اور ندمار بھی حاضر تھے۔ اس تمام شکوہ و شان کے باوجود ابرہہ نے جب دُور سے عبدالمطلب کو آتا دیکھا، تو عبدالمطلب کی ہیبت و عظمت اور وقار سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ اس کی تعظیم و اکرام کے لیے اس کو کھڑا ہونا پڑا۔ ابرہہ دل میں سوچ رہا تھا کہ بلند کردار آدمی معلوم ہوتا ہے۔ عبدالمطلب سامنے آیا تو ابرہہ نے ایک قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بعد میں اُسے احساس ہوا کہ عبدالمطلب کا مقام ہمارے مقام سے فروتر نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنی کرسی سے اُتر کر وہیں آ بیٹھا جہاں عبدالمطلب بیٹھا تھا۔ عبدالمطلب کے باوقار چہرہ کے نقوش نے ابرہہ کو اس کی تعظیم و احترام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ابرہہ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے حناطہ کو اپنی طرف متوجہ کیا جو پہلے ہی سے ابرہہ اور عبدالمطلب کے مابین ہونے والی گفتگو کے فرائض ترجمانی ادا کرنے کے لیے مقرر ہو چکا تھا۔

ابرہہ نے کہا : ان سے پوچھو۔ کیا چاہتے ہو ؟۔

حناطہ نے عبدالمطلب سے یہ سوال کیا تو عبدالمطلب نے کہا :

میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ سلامت میرے وہ دو سو اونٹ واپس کر دیں جو ان کے فوجی سپاہی چراگاہ سے پکڑ لائے ہیں۔

کچھ دیر کے لیے ابرہہ کی زبان دہشت کے مارے گنگ سی ہو گئی۔ جب اس نے اپنے ترجمان سے سُنا کہ عبدالمطلب اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا :

میں نے جب تمہیں دور سے دیکھا تو میرے دل پر ایک ہیبت سوار ہو گئی تھی۔ پھر میں نے تمہاری گفتگو میں بھی ایک شانِ خودداری پائی !! لیکن حیران ہوں کہ تم مجھ سے اپنے دو سو اونٹوں کے متعلق تو گفتگو کر رہے ہو لیکن اپنے اس گھر کے متعلق

ایک حرف بھی نہیں کہتے جو تمہارے اور تمہارے آباؤ اجداد کے دین کا مرکز و قبلہ ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اسے مسمار کرنے آیا ہوں تم اس کے متعلق گفتگو کیوں نہیں کرتے ؟!!

اس پر عبدالمطلب کا جوابی ردِ عمل یہ تھا کہ اس نے باآواز قوی آواز میں کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں، رہا بیت اللہ کا معاملہ سو خدا خود اس کی حفاظت و نگہداشت کرے گا.....!

عبدالمطلب پر ناظرین حیران ہو گئے کہ آیا یہ جواب ان کو الہام ہوا تھا یا کچھ انھوں نے کہا، وہ ان کی وقتی ژرف نگاہی کی صدا تھی۔!!

ابرہہ نے عبدالمطلب کی تردید کرتے ہو کہا:

تمہارے اس گھر کو میرے ہاتھوں سے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔!

عبدالمطلب نے جواب دیا: خیر! مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، تم جانو تمہارا کام جانے۔

عبدالمطلب اور ابرہہ کے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔ لیکن وہ لوگ جو عبدالمطلب کے ساتھ آئے تھے جن میں بنی بکر کا سردار خناطہ بن نفاثہ، اور بنو ہذیل کا سردار خویلد بن واثلہ ہذلی بھی تھا۔ ابرہہ کی زین خدمت کے آداب بجا لا کر عرض کرنے لگے: اے بادشاہ! اپنی سخاوت و رحم دلی کو بروئے کار لاتے ہوتے کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے سے باز آ۔

دراصل یہ لوگ مقصد بھی یہی لے کر چلے تھے، چنانچہ ان کے خیال میں یہی وقت تھا کہ اپنی درخواست ابرہہ کے حضور میں پیش کریں۔ ابرہہ سے درخواست کرتے ہوتے ان لوگوں نے یہ بھی کہا: کہ اگر ہماری درخواست منظور کر لی جاتے تو ہم تہامہ کی کل پیداوار کا ایک تہائی پیش خدمت کریں گے۔ لیکن ابرہہ نے کوئی بات نہ سُنی۔ وہ جس ارادے سے آیا تھا اسی پر ڈٹا رہا۔ اِن لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بات جہاں تھی وہیں ادھوری رہ گئی۔

عبدالمطلب، اور اس کے رُفقاء مکہ شہر میں واپس آ گئے۔ عبدالمطلب اپنے تمام اونٹ واپس لے آیا۔ مگر یہ لوگ ناکام اور مایوس لوٹ آئے۔ کعبہ کی سلامتی کے سلسلہ میں ابرہہ نے ان کو قطعاً مایوس لوٹایا۔

عبدالمطلب نے کعبہ سے متعلق شہر کے تمام معزز لوگوں سے مشورہ کیا۔ اور ابرہہ کے بد ارادہ سے ان کو مطلع کیا، اس نے کہا: اے مکہ کے باشندو! تم لوگ اپنی قوت و بہادری کے باوجود ابرہہ سے ٹکر لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہو۔ لہٰذا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اپنے ماتحت نوجوانوں اور بہادروں کو سختی سے سمجھا دو کہ وہ مکہ سے باہر نکل جائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں اور دروں میں اس وقت ٹھیرے رہیں جب تک خداوند تعالیٰ کا حکم اپنے گھر کے بارے میں نافذ نہ ہو۔

یہ تمام معززین شہر مجلس برخاست ہو جانے پر اپنے اپنے قبیلوں اور خاندانوں میں مذکورہ فیصلہ سے ہم نوا ہو کر واپس ہو گئے۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ تمام اہل شہر اپنے سامان اور خیمے ان پہاڑوں کی چوٹیوں اور دروں میں منتقل کر رہے تھے جو مکہ کے گرد پھیلے ہوتے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر حیرانی و پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ اور عورتوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

عبدالمطلب اپنے دوستوں اور گھر والوں کے ساتھ بیت اللہ میں حاضر ہوا۔ بیت اللہ کا ایک حلقہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ اور اس کے ساتھی گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگے اور اپنے دیوتاؤں سے ابرہہ اور اس کی تمام فوج کی تباہی کے لیے بد دعا کرنے لگے۔ اس کے بعد جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوتے پہاڑوں میں اپنے دیگر ہمراہیوں کی طرف چلے گئے۔ شہر مکہ دیکھتے دیکھتے سنسان آبادی میں منتقل ہو گیا۔ تمام بسنے والے اس کو خدا کے حوالے کر کے جا چکے تھے۔

وقت آ چکا تھا کہ ابرہہ آگے بڑھے اور جس مقصد کی خاطر وہ نکلا ہے اسے عملی جامہ پہنائے۔ وہ بہت جلد کعبہ کی عمارت پر کدالوں کی پیہم ضربیں لگانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے فوج کے نوجوانوں کو حکم دیتے ہوتے کہا:

کل صبح ہم ضرور مکہ کی عبادت گاہ کو منہدم کر دینے کے لیے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ سب تیار ہو جاؤ۔

صبح ہوئی تمام فوجی شہر میں داخل ہونے کی تیاری میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ وہ اس کے لیے ہمہ تن تیار تھے کہ اگر اہل شہر نے ہمارا مقابلہ کیا تو جانوں کی بازی لگا کر ان کے مقابلہ کا جواب دیں گے۔ لشکر میں حرکت ہوئی۔ ہر فوجی اپنے اپنے ہتھیاروں تیروں اور زرہوں سے آراستہ تھا کہ اچانک نُفیل بن حبیب محمود ہاتھی کے سامنے آ کھڑا ہوا جو حبشہ سے

ابرہہ کی سواری کے واسطے لایا گیا تھا۔ اُس نے ہاتھی سے مخاطب ہو کر چپکے چپکے اس کے کانوں میں کہا:

محمود! بیٹھ جا، یا جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جا تیرے لیے اس میں خیر ہے۔ یاد رکھ یہ بلد حرام ہے۔ نفیل نے ہاتھی کو چھوڑا۔ اور جلدی جلدی قدم اٹھاتا کسی پہاڑ پر چلا گیا۔ وہ وہاں کسی چٹان کے پیچھے چھپ رہا۔ اس کے بعد ہاتھی کا سائیں انیس آیا۔ وہ ابرہہ کی سواری کے لیے ہاتھی کو تیار کر رہا تھا۔ لیکن وہ سخت حیران و متعجب تھا۔ حیرانی میں اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا.... !!

اس نے دیکھا کہ ہاتھی ایک عجیب حالت میں مبتلا ہے۔

......!

حقیقت یہ تھی کہ نفیل نے جو کچھ ہاتھی سے کہا اس نے اس کی تعمیل کی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔ انیس حیران و پریشان کھڑا تھا گویا اس کو سکتہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے ہاتھی کبھی اس طرح نہ بیٹھا رہا تھا....!! وہ کھڑا ہوا بڑبڑا رہا تھا: تعجب ہے ....!! عجیب معاملہ ہے.....!!

انیس نے جلدی سے اس ہاتھی کی خبر ارد گرد کے لوگوں کو پہنچائی۔ وہ جلدی جلدی بھاگتے ہوئے ہاتھی کی حالت کا مشاہدہ کرنے آ رہے تھے، اور معاملہ کی پیچیدگی پر سخت حیران تھے۔

انیس اور دوسرے لوگوں نے ہاتھی کو کھڑا کرنے کی ہزار کوشش کی۔ لیکن ان کی ایک نہ چلی۔ ہر کوشش ناکام ہو کر رہ گئی۔

ہاتھی کے اس طرح بیٹھ رہنے یا گر پڑنے کی خبر تمام فوج میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً تمام ہوشیار لوگوں کو حکم دیا کہ ہاتھی کو کسی طرح کھڑا کریں۔ وہ پہلی مرتبہ ناکامی کا سامنا کر رہا تھا۔ اس واقعہ کو اُس نے بڑی طرح محسوس کیا اور اپنے لیے بدشگونی تصور کیا۔ فوجیوں نے ہاتھی کو کھڑا کرنے میں اپنی ساری قوتیں اور ترکیبیں صرف کر ڈالیں، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ وہ بھاری بھاری لاٹھیاں لاتے، اسے مارنے لگے اور کبھی نیزوں سے کچوکے دیتے تھے لیکن سب بے کار!! فوج کا جوش و خروش حیرانی اور جمود میں تبدیل ہونے لگا..... وہ سوچ رہے تھے اب کیا ہو گا؟

..... ادھر ابرہہ کا حکم پہ حکم پہنچ رہا تھا کہ جلد سے جلد ہاتھی تیار کیا جائے۔ بار بار شاہی آدمی دریافتِ حال کے لیے آ رہے تھے کہ ہاتھی کھڑا ہوا یا نہیں؟.....!!

لوگ حیرت و استعجاب کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ مختلف قسم کی رائے دی جا رہی تھی۔ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تدبیر سوچ رہا تھا۔ بعض سمجھ دار لوگوں نے مشورہ دیا کہ لوہے کی مڑی ہوئی نیزوں کی نوکیں ہاتھی کے حلق میں چبھو دی جائیں اور نیزوں کو مضبوطی سے کھینچا جائے تاکہ درد کی شدت سے ہاتھی اُٹھ کھڑا ہو۔

یہ طریقہ واقعی کارگر رہا۔ جوں ہی ہاتھی کے حلق میں یہ نیزے پھنسے وہ تلملا کر کھڑا ہو گیا، لیکن اپنا رُخ داہنی سمت موڑ لیا۔ اور تیز تیز دوڑنے لگا...!

لوگ جلدی سے اس کے پیچھے بھاگے۔ اور پکڑ کر بمشکل قابو میں کیا تاکہ مکہ کی سمت اس کو موڑا جا سکے۔ یہ سب کچھ بھی ہو گیا۔ لیکن چلنے کا وقت آیا تو ہاتھی مکہ کی جانب چلنے سے برابر گریز کر رہا تھا۔ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاتا تھا۔ عجیب معاملہ تھا کہ مشرق کی طرف موڑتے تو چلنے لگتا اور مغربی سمت میں رُخ کرتے تو بھی چلنے لگتا غرض یہاں پھر ایک نئی مشکل سے دوچار ہونا پڑ گیا۔ کیونکہ ہاتھی میں ایک نئی سرکشی پیدا ہو گئی تھی۔

دیکھتے دیکھتے آسمان پر بادل چھا گئے۔ تہ بر تہ بادلوں کی کثافت سے ساری فضا میں گھٹا ٹوپ اندھیری اُمڈ آئی۔ آندھی نہایت سخت چل پڑی۔ بادل گرجے۔ بجلی کوندی۔ آندھی میں ریت کے تودے اُڑتے چلے آ رہے تھے۔ اندھیری اس قدر کہ راستہ تک سامنے دکھائی نہ دیتا تھا۔ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ ریت کے تودے اور صحرا کی کنکریاں اِن کی آنکھوں اور چہروں کے لیے سخت تھپیڑوں کا کام کر رہی تھیں۔ ابرہہ کی تمام فوج گرد میں اَٹ گئی۔ کنکروں کی تھپیڑوں نے ان کے جسموں اور چہروں کو زخمی کر ڈالا۔

تمام لشکر میں ہولناک سماوی آفتوں کا دور دورہ تھا، نیزے، تلواریں اور دیگر ہتھیار نہایت بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے۔ گھبراہٹ اور سراسیگی عام تھی۔ ہر فوجی چاہتا تھا کہ ریت اور غبار سے کسی جگہ محفوظ ہو جائے۔ کنکروں کی بوچھاڑ کی شدت سے ہر ایک کسی حفاظت گاہ میں جا کے پناہ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ وہ ایک دوسرے پر اوندھے منہ گرنے لگے۔

ہر ایک دوسرے کو کچلتا پامال کرتا اوندھے مُنہ گر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ سب لاشوں کی طرح زمین پر پڑے ہوئے تھے۔۔۔!! کچھ تھوڑے سے لوگ ایسے بھی تھے جو کسی طرح بھاگ کر پہاڑوں کے غاروں اور چٹانوں کے پیچھے سر چھپا سکے۔

ابرہہ کی فوج پر یہ دن بڑا ہولناک گزرا، مشقتوں اور جان لیوا آفتوں سے اُسے دو چار ہونا پڑا۔ دوسرے روز صبح بادل چھٹ چکے تھے۔ مطلع صاف ہو چکا تھا۔ لیکن اکثر فوجی درد و بے چینی سے کراہ رہے تھے۔۔۔ نہایت تیز بخار ان کے جوڑوں میں دوڑ رہا تھا۔ اور بخار کی وجہ سے تمام جسم میں سخت لرزہ تھا۔

ہائے بدقسمتی!! یہ ہم کس آفت میں گھر گئے؟! کڑیل نوجوانوں کو یہ کیا ہو گیا؟!

یہ الفاظ تھے جو بدنصیب ابرہہ کے مُنہ سے نکلے۔ اس کو ہر چہار طرف گرانڈیل سپاہی موسم خریف کے جھڑے ہوئے پتوں کی طرح زمین پر بکھرے نظر آتے تھے۔ سخت آندھی نے ریت کے ذرّوں اور پتھریلی کنکروں سے ان کے جسموں کو اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُن میں ہولناک وبا اور ایک جان لیوا مرض پھوٹ پڑا تھا۔ یہ بیماری نہایت منحوس چیچک کی بیماری تھی۔

ابرہہ نے مُنادی کے ذریعہ فوجیوں میں اعلان کرایا:

سب واپسی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔ اور پالانوں کو کس لو۔۔۔!

لیکن اس حکم کی تعمیل میں سپاہیوں میں دم کہاں تھا کہ وہ فوراً روانگی کی تیاری شروع کر دیتے؟!

انتہائی کمزوری اور جسم میں کپکپی کی وجہ سے ان کی یہ حالت تھی کہ گویا سخت ہوا میں پرندہ کا ایک ٹوٹا ہوا پَر لہرا رہا ہے۔۔۔!

پھر وہ راستہ بتانے والے راہنما کہاں ہیں۔ جو فوج کی رہنمائی کرتے ہوئے ہم کو یہاں لائے تھے؟!

کوئی بیماری کی شدت سے ہائے ہائے کر رہا تھا۔ کوئی جان بچا کر پہاڑوں میں بھاگ گیا تھا۔

ابرہہ نے منادی کے ذریعہ دوبارہ فوجیوں کو پکارا:

جوانمردو! ہمت نہ ہارو۔ چلنے کی تیاری میں مصروف ہو جاؤ۔ ہم صبح ہوتے ہی یہاں سے چل پڑیں گے۔

صبح ہوئی قوم میں ضعف پر ضعف بڑھ رہا تھا۔ کمزوری نے ان کے اعضاء کو گویا الگ الگ کر پھینکا تھا۔ جو لوگ اس آفت سے بچ رہے تھے اور اپنے کو تندرست و توانا محسوس کر رہے تھے اب تو وہ بھی بے جان سے ہو گئے تھے۔ گنے چنے چند آدمی تھے جو اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی ہر وقت دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ لیکن ابرہہ کی حوصلہ افزائی کہاں تک ساتھ دیتی۔ اتنے بڑے لشکر کے سامانِ سفر کو درست کرنا کوئی آسان کام تو نہ تھا۔

غرض ہزار مشقت و تعب کے بعد ——— ان تندرست لوگوں سے یہ ممکن ہوا کہ وہ اتنی بڑی مصیبت زدہ فوج کو اونٹوں کے پالانوں اور گھوڑوں کی زینوں پر لادیں!

اس صورت سے ابرہہ کا لشکر جہاں سے آیا تھا۔ اسی سمت روانہ ہو گیا۔ ان کے قدم مکہ کی سرزمین کو نہ چھو سکے، نہ ان کی آنکھیں خانۂ الٰہی کا نظارہ کر سکیں۔

تندرست و توانا، اپنی کثرت اور ساز و سامان پر اتراتے ہوئے آئے تھے۔ مگر بدترین کمزوری اور ذلتوں کے ساتھ اس حالت سے واپس ہو رہے تھے کہ نہ ہتھیار اٹھا سکے نہ سامانِ رسد اور مال و متاع لے جا سکے۔

یہ سب کچھ بغیر کسی خون ریز جنگ و پیکار کے ہو گیا۔ سچ ہے خدا کی جنگ انسان کی جنگ سے کہیں زیادہ ہولناک ہوتی ہے۔ اس کا مقابلہ ہر مقابلہ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔۔۔!!

اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کو پسپا کر دیا اور اس طرح اپنے گھر کی عزت و آبرو بحال رکھی۔۔۔!!

اہلِ مکہ پہاڑوں میں پناہ گزین تھے۔ وہ منتظر تھے کہ مکہ میں داخل ہو کر ابرہہ اور اس کی فوج کیا کرتی ہے۔ وہ اس تصور میں کانپ رہے تھے کہ مکہ میں دیکھئے بیت اللہ پر کیا گزرتی ہے؟!

لیکن۔۔۔ ان کی یہ دہشت و سراسیمگی کتنی دیر رہی۔ وہ کس قدر خوش ہوں گے۔ جب ان کو معلوم ہوا ہو گا کہ ابرہہ اور اس کی فوج ایک قدم بھی مکہ کی طرف نہ اٹھا سکی، وہ جس کعبہ کو گرانے کے لیے آئے تھے اس کے پاس بھی نہ پھٹک سکے۔

لیکن عبدالمطلب اس تمام صورتِ حال سے نہ دہشت زدہ تھا اور نہ اس کو کوئی خوشی یا حیرانی تھی۔ اس نے اہلِ شہر سے کہا اور پختہ یقین و اعتماد کے لہجہ میں کہا:

میں پہلے ہی محسوس کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو اپنے دُشمن ابرہہ کے ہاتھوں ہرگز برباد نہ ہونے دے گا۔

مکہ کے قبائل میں ابرہہ کے ظالم لشکر کا انجام معلوم کرنے کے لیے بے تابی پائی جاتی تھی۔ ان کو معلوم ہوا کہ اللہ نے اس ظالم لشکر کو تباہ کر دیا! غرض سب اہلِ مکہ امن و سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ مکہ کے گلی کوچوں میں وہی پہلی سی چہل پہل ہونے لگی۔ گویا ایک مردہ شہر میں جان پڑ گئی، پھر وہی شب و روز کی رنگینیاں اور تازگیاں عود کر آئیں۔ کوئی گھر نہ تھا جس میں بہجت و مسرّت کے شادیانے نہ بج رہے ہوں۔

اس کے بعد رجالِ مکہ اپنے سردار عبدالمطلب بن ہاشم کی معیت میں وہاں پر پہنچے جہاں اس لشکر کا پڑاؤ تھا۔ وہاں انھوں نے بے شمار اموال اسلحہ اور سامان رسد پڑا ہوا پایا۔ یہ وہ مال تھا جسے دُشمن چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

دوسری طرف بھاگنے والوں کو خدا کے غضب نے سنبھلنے کی مُہلت نہ دی، ادبارِ الٰہی ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ اپنے پالانوں کو درست کر کے دردناک ٹیسوں اور اپنے بیماروں کی شدید کراہوں کے درمیان جنوبی سمت ابھی روانہ ہی ہوتے تھے کہ پہاڑوں سے بہنے والے بارش کے پانی نے سیلاب کی شکل میں ان پر دھاوا بول دیا۔ وبال پر وبال اور بیماری پر بیماری کا اضافہ ہوتا گیا۔

چیچک کی نامُراد بیماری شدّت سے پھیل گئی۔ راستہ کی مشقت اور سفر کی تھکان نے اور بھی آگ پر تیل کا کام کیا صبح ہوئی تو سواروں میں دردناک چیخوں اور قریب الموت فوجیوں کے سسکتے ہوئے دل خراش نالوں کے سوا کوئی آواز سُنائی نہ دیں۔ اس قافلہ میں کسے ہوش تھا کہ وہ بیماروں کی ان دردناک کراہوں کو سُن کر ان کی طرف دوڑتا۔ بس کچھ تھوڑے سے صحت مند فوجی اس تمام بیمار لشکر کی قیادت کر رہے تھے وہ بارشوں کے سیلابی پانیوں کے اندر سے ہو کر نکلنے کا ارادہ کر رہے تھے اور پانی کے دھارے سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن ان کی یہ تمام کوششیں رائیگاں جا رہی تھیں اس پر بارشوں کی طاقت ان کی طاقت سے کہیں زیادہ تھی۔ سیلاب کے پانی کا بہاؤ ان کی مقاومت سے کہیں زیادہ شدید تھا۔

کچھ لوگ ابرہہ کے پاس اس کی رائے دریافت کرنے کے لیے گئے۔ لیکن اب ابرہہ کی ہدایات اور اوامر کا سلسلہ بند تھا۔ ابرہہ بھی اُسی بیماری میں مُبتلا ہو چکا تھا جس میں اس کی فوج مُبتلا تھی۔ چیچک کی وبا اس کے اعضاء میں بھی سرایت کر چکی تھی۔!

لوگ اپنے دوستوں کے پاس بادشاہ کی بیماری کی خبر لے کر لوٹے تو اُن کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ان کے سامنے یہی ایک طریقِ کار رہ گیا تھا کہ وہ اپنی من مانی کریں۔ خود اپنے دل سے مشورہ کریں اور عمل کریں۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ قافلے کے بوجھ کو ہلکا کیا جائے اور ان تمام لوگوں کو راستہ ہی میں چھوڑ دیا جائے۔ جن کی زندگی کی کوئی اُمید باقی نہیں۔

اس فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے قافلہ کا بہت کچھ بوجھ ہلکا کیا گیا۔ بڑی بھاری تعداد میں مایوس حالت میں مُبتلا بیماروں کو پالانوں سے نیچے دھکیل دیا گیا۔ وہ بارش کے پانی کا شکار ہوں تو ہوا کریں۔ ان کو سیلاب کا پانی ہلاک کرے تو کرے لیکن قافلہ کو تو ان کے عذاب و آلام سے آرام مل جائے...!

لیکن سیلاب کی نذر ہو جانے والے ان مریضوں سے ان مریضوں کی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہ تھی جن کو قافلہ میں ہمراہ رکھا گیا تھا۔ کیونکہ ان کے جسم گل سڑ رہے تھے اور کھال بُری طرح پھول پھٹ رہی تھی۔ وہ بھی یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے موت کا لقمہ بن رہے تھے۔ جو لوگ صحیح سلامت تھے گردشِ ایّام نے ان کو بھی کچھ زیادہ مہلت نہ دی۔ حتیٰ کہ جب اس فوجی قافلے کا یمن کی سرزمین میں نمودار ہونے کا وقت آیا تو وہ لوگ جو بقیدِ حیات پہنچ پاتے تھے نہایت معمولی تعداد میں تھے۔

ابرہہ کا جسم گل جانے کی وجہ سے پارہ پارہ ہو رہا تھا ایک پالکی میں ڈال قصرِ شاہی میں پہنچایا گیا۔ ابرہہ کے لڑکے یکسوم، مسروق اور ابساسہ اور اس کی بیوی ریحانہ نے اس سے ملاقات کی۔ ابھی اچھی طرح دیکھ بھی نہ پاتے تھے کہ سب کے سب مبہوت رہ گئے۔ اس دلگداز اور ہولناک منظر کو دیکھنے میں ان پر بے ہوشی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ ابرہہ ہی ہے۔ لیکن وہ بغور دیکھ رہے تھے کہ ابرہہ کی ناک کا اگلا حصہ کٹا ہوا تھا۔ یہ علامت اس مریض میں بے شک موجود تھی۔ وہ چہرے کا

امتیازی نشان دیکھ کر مریض کو پہچان لیتے۔

بدنصیب ابرہہ کی قسمت میں جتنی مصیبت اور بیماری جھیلنی لکھی تھی، وہ اس نے جھیلی۔ بالآخر وہ مرگیا۔ لشکر کا جو حصہ بچا کھچا اس کے ہمراہ پہنچا تھا ان میں سے بھی سب نے ایک ایک کرکے شدید بیماری میں دم توڑ دیئے۔

ابرہہ اور اس کی فوج کو جس اندوہناک مصیبت کا سامنا ہوا تھا۔ لوحِ عالم پر وہ کوئی معمولی نوعیت کا واقعہ نہ تھا۔ یہ درد انگیز تفصیلات تمام جزیرۂ عرب میں پہنچیں۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ مکّہ میں کیوں داخل نہ ہو سکا۔ اور کعبہ کو منہدم کرڈالنے میں اس کو کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں!!

ان واقعات کو سن اہلِ عرب کی نظروں میں خانۂ کعبہ کے تقدیس و اجلال میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ پہلے وہ صرف خانۂ کعبہ کو بزرگوں کی روایات کی روشنی میں لائق عزت و عبادت سمجھتے تھے مگر اب اس عقیدہ میں مشاہدہ کی تائید بھی شامل ہوگئی تھی۔

اس عظیم حادثہ نے اہل مکہ میں نہایت دور رس اثرات چھوڑے۔ وہ اس واقعہ کو اپنے اشعار میں پرونے لگے۔ ایک ایسا عجیب وغریب عبرتناک واقعہ کہ جس کی داستانوں کو تاریخ نے اپنے اندر روشن حرفوں میں جگہ دی۔ وہ جب لکھتے یا بات کرتے تو کہتے:

فلاں کام یا فلاں واقعہ سالِ فیل کے بعد فلاں سنہ میں ہوا۔ ابرہہ کے بعد یمن کے تخت و تاج کا وارث اس کے بڑے لڑکے یکسوم کو قرار دیا گیا۔ لیکن یہ بڑا جفاکار نکلا وہ اہلِ یمن کو ذلیل کرتا۔ ان کی عورتوں کی ناموس خراب کرتا۔ ان کے لڑکوں کو اپنا غلام بنالیتا اور اپنے باپ کی بیوی ریحانہ اور اس کے لڑکے سیف بن ذی یزن کے ساتھ نہایت غیرشریفانہ سلوک کرتا تھا۔

یہ سیف بن ذی یزن ریحانہ کا وہی بیٹا ہے جس کو ایک لڑکے کے طور پر ہم معدی کرب کی داستان میں جانتے پہچانتے ہیں۔ یہ ریحانہ کے پہلے خاوند ابو مرّہ کا لڑکا ہے۔ جو شہر بہ شہر قبائل عرب سے ابرہہ کے مقابلے کے مدد کا خواستگار بن کر نکلا تھا۔ کیونکہ ابرہہ نے اس کی بیوی ریحانہ کو زبردستی اغوا کرلیا تھا۔ پھر تدریج اس بچہ کی داستانیں دنیا کے ذہنوں سے فراموش ہوگئی تھیں۔ لیکن اس نے بڑی عمر کو پہنچ کر اپنے سوتیلے باپ ابرہہ کی کارستانیاں معلوم کیں۔ وہ اپنے باپ کی طرح ملوکِ عرب وغیرہ کی خدمت میں مدد حاصل کرنے کو باریاب ہوا۔ حیرہ کے عامل نعمان بن منذر، قیصرِ روم اور کسریٰ ایران کے درباروں میں پہنچا۔ وہ اپنی اس تحریک کو زندہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ دن اور سال گذرنے لگے اور یکسوم بھی مرگیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی مسروق، یمن کے "تاج و تخت کا وارث مقرر ہوا۔ بالآخر سیف بن ذی یزن اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوا۔ کسریٰ نے اس کی ہمراہی میں ایک جنگی لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کے ہمراہ سیف، یمن میں داخل ہوا۔ اس نے اس عظیم جیش کے ذریعہ اپنے آباؤ اجداد کے شہروں کو آزاد کرایا۔

صاحبِ فیل ابرہہ کی یہ داستان یہاں آکر ختم ہو جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اس کو، اس کی فوج کو اور اس کے وارث "تاج و تخت لڑکوں کو ذلیل وخوار کیا۔

اس طرح اللہ نے ان کے فریب کو ان ہی کے سینوں میں انڈیل دیا۔ چنانچہ وہ اصحاب الفیل کے متعلق قرآن میں فرماتا ہے:

الم تر کیف فعل ربک	کیا تو نے نہیں دیکھا ؟ کہ تیرے
باصحاب الفیل ؟ الم	رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ
یجعل کیدھم فی	کیا کیا۔ کیا ان کے فریب کو خاک میں
تضلیل و ارسل علیھم	نہیں ملادیا ؟ اور ان پر ابابیل کو
طیرا ابابیل۔ ترمیھم	نہیں بھیجا ؟ جو ان پر پختہ کنکریاں
بحجارۃ من سجیل فجعلھم	برسا رہے تھے۔ بالآخر ان کو
کعصف ماکول۔	روندے ہوئے بھوس کی طرح پامال
	کردیا۔

ہمیں افسوس ہے کہ ۲۸ نومبر کا خطبہ جمعہ جو سورہ کوثر کی پہلی آیت کی تشریح و توضیح پر مشتمل تھا گم ہوگیا۔ تلاش جاری ہے۔ مل گیا تو انشاء اللہ شائع کردیا جائے گا۔

(ادارہ)

عید کی تعطیلات کے پیشِ نظر

آئندہ شمارہ شائع نہیں ہوگا

قربانی

شرعی اور تاریخی حیثیت

تحریر : مولانا عبدالقیوم ندوی

مرسلہ

عبدالرحمٰن جامی النقشبندی جلال پور پیروالا



الحمدللہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اما بعد :

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم ۔ (پ۱۷)

محترم حضرات ! ہزاروں سال ہوئے جبکہ ایک بوڑھے باپ نے اپنے محبوب لخت جگر اور جواں بخت وجواں سال نورِ نظر کو اپنے ہی ہاتھوں اللہ رب العزت اور صرف اللہ رب العزت کے لیے اس کے ایک ادنیٰ اشارہ پہ ذبح اور قربان کرنے کا قصد کیا تھا ۔ اللہ تعالےٰ کو اس کی یہ ادا کچھ ایسی بھائی کہ اس نے اس مبارک ادا کو اپنے بندوں پہ قیام قیامت تک کے لیے ضروری فرما دیا۔ اور اس طرح فرمایا کہ اس کی نسبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ جو شخص باوجود مقدرت قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے ۔ (مسند امام احمد بن حنبلؒ و ابن ماجہ)

ایک روز ایک صحابی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! قربانی کیا چیز ہے ۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے ۔ پھر اس نے دوبارہ عرض کیا یارسول اللہ! ہمارے واسطے اس میں کیا فضیلت ہے ؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے بال قربانی کے جسم پر ہوتے ہیں ۔ اتنی ہی نیکیاں قربانی کرنے والے کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں ۔ (مسند امام احمد، ابن ماجہ)

حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰؓ اور ابوسعید خدریؓ اور عمران ابن حصین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اول قطرہ خون جو قربانی سے زمین پر گرتا ہے اس کی وجہ سے جو گناہ بندہ نے کیا ہے وہ بخشا جاتا ہے ۔ اور قیامت کے دن قربانی کا چمڑہ اور گوشت نیکی کے پلڑا میں رکھا جائے گا۔ اس کا وزن ستر حصہ نیکیوں کو بڑھا دے گا۔

حضرت ابوسعیدؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ ! یہ کرامت خاص اہل بیت کے واسطے ہے یا سب مسلمانوں کے لیے آپؐ نے فرمایا کہ اس نعمت میں سب مسلمان شریک ہیں ۔ (ترغیب حمیدیہ)

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمؑ نے نحر کے دن خون کے جاری کرنے سے بہتر کوئی عمل جو اللہ کے نزدیک محبوب ہو نہیں کیا ۔ اور تحقیق ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن مع اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے آگے آئے گا یعنی پل صراط پر سواری بنے گا اور بے شک اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ کے یہاں قبول ہوجاتا ہے ۔ پس اس سے دل خوش کرو ۔ (ترمذی ۔ ابن ماجہ)

اس حدیث شریف سے خاص طور پر یہ ثابت ہوا عیدالاضحیٰ کے دن افضل عبادت خون بہانا ہے ۔ یعنی

قربانی کرتا ہے اور وہ قربانی قیامت کے دن بلا کم و کاست جیسی دنیا میں تھی بعینہٖ موجود ہوگی تاکہ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے اجر حاصل ہو اور پل صراط پر سواری بنے۔

مذاہبِ عالم اور قربانی

قربانی ایک تاریخی چیز ہے کہ ہر زمانہ میں اور ہر قوم اور ہر ملک میں اس کا وجود ثابت ہے۔ چنانچہ اس جگہ پر تاریخی شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۱ اور انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جلد نمبر ۴ ص ۴۱۸ تا ص ۴۲۴ میں ہے۔ ایران، ہندوستان، یونان، روم، عرب، افریقہ، قدیم امریکہ اور روما میں قربانی کا عام رواج تھا۔ رضاء الٰہی، کفارہ معاصی، ازالہ غضب اصنام، ... غریب کی غربت دور کرنے کے لیے شاعر کی قوت بڑھانے اور بیمار کی شفا کے واسطے قربانیاں ہوا کرتی تھیں — عبرانیوں میں شکریہ، کفارہ اور حمد الٰہی کے لیے لڑکے کے تولد، ختنہ، شادی اور مہمان کے آنے، فتحمندی، زمین کے جوتنے، کنویں کی بنا، بنیاد عمارت، باہمی معاہدہ، مردہ کی سالانہ رسم، شکار کے بعد اور جب کسی کا جانور پہلا بچہ دے تو قربانی ہوا کرتی تھی۔ توریت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آغاز دنیا سے یہ رسم جاری ہے۔ ہر قوم میں اس کا نیا انداز ہے اور نئی نئی صورت ہے۔ یہودی اپنے گناہوں کے کفارہ کے لیے قربانی کیا کرتے تھے۔ اور پھر وہ اسے آگ میں جلا دیتے تھے۔ گناہوں کے کفارہ کے لیے قربانی کرنے کا غلو اس قدر بڑھا کہ عام طور پر لوگوں کو یہ یقین ہونے لگا کہ آسمان سے ایک بے دھوئیں کی آگ اترتی ہے۔ اور مقبول قربانی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے بعض پیغمبروں کو ایسا بھی پیش آیا کہ انہوں نے خدا کی نیاز کی آسمان سے آگ آئی اور نیاز کو جلا گئی جس سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ نیاز قبول ہو گئی۔ بابلی لوگ قیدیوں میں سے ایک انسان کی قربانی کیا کرتے تھے اور افریقہ میں حسین آدمیوں کی قربانی ہوتی تھی۔ بابلیوں میں ہرن کی قربانی اور عبرانیوں میں بادشاہ اور رعایا کی طرف سے شاہی قربانی کے لیے چھ چھیلے اور دنبہ ضروری تھا۔ سوختنی قربانی بھی ... دیوتا آگ یا آگ کے فرشتے) کے لیے ہوتی تھی اور اس کو عولی کہتے تھے۔

حضرت سلیمانؑ نے جب ہیکل تیار کی تو قربانیوں کی نوبت لاکھوں تک پہنچ گئی۔ مسیحی دین میں قربانی کا بہت لحاظ رکھا گیا اور تمام انبیائے بنی اسرائیل قربانی کے مؤید رہے۔ لیکن نصرانیوں کو چونکہ سخت دشمنی تھی اس لیے انہوں نے اس قدیم رسم کو مٹا دیا۔ اور حضرت عیسٰیؑ کے صلیب پانے پر قربانی کو ترک کر دیا۔ پہلے تو مسیحی باوجود پال کے انکار کے قربانیاں کرتے رہے جب دنیا طلبی غالب آگئی تو قربانیوں کا قائم مقام ہو گیا ی بہانہ سے اصل قربانی موقوف ہو گئی۔ تاہم برائے نام یا حقیقتاً اب بھی مسیح کا لہو، گوشت ضیافت ربانی میں کھایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ خیال کہ ایک جان کے مارنے سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔ نصرانی اپنے دل سے دور نہ کر سکے۔ کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ ہمارے گناہوں کے کفارہ میں حضرت یسوع نے (جو خدا کا اکلوتا بیٹا تھا) صلیب پر جان دے دی۔ جس طرح یہودی یہ سمجھتے تھے کہ خواہ ہم کیسا ہی گناہ کریں ایک ہی بھیڑ یا بکری کو ذبح کر کے جلا دینا اس گناہ کو مٹا دے گا۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ حضرت مسیحؑ کا صلیب پانا ہمارے گناہوں کے کفارہ کا باعث ہو گیا۔ روما میں سور کی اور یونان میں شراب کی قربانی کا معمول تھا۔ میکسیکو کے تین منزلہ گرجا میں سبز پتھر پر قربانی ہوتی تھی۔ ڈاہومی میں بادشاہ کی وفات پر دو ہزار آدمیوں کی قربانی ہوتی تھی۔

یہ تو ان قوموں کا حال تھا جو اپنے آپ کو آسمانی کتب و صحائف کا پیرو خیال کرتی تھیں۔ مشرکین کا حال ان سے بدتر تھا۔ وہ لوگ اپنے ہاتھ کے بتوں، تصویروں، درختوں اور فرضی شیطانوں پر جانور کو ذبح کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ بت اور درخت اور شیطان ان جانوروں کا خون پی کر خوش ہو جاتے ہیں۔

عرب کے مشرکین کا دستور تھا کہ وہ اللہ کے سوا اپنے بتوں اور خیالی معبودوں وہمی ہستیوں کے نام قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ دستور اب تک ہندوؤں میں رائج ہے اور دیبی کی بھینٹ ذبیحہ پرانا دستور ہے۔

ہندو مذہب میں قربانی

ہندوستان میں بھی تمام قوموں میں قربانیاں ہوا کرتی تھیں۔ ہندوستان میں منوجی مہاراج بڑے رشی اور قابل عزت آدمی ہیں۔ منوسمرتی آپ کی بہترین اور مستند کتاب ہے۔ ان میں ایسا لکھتے ہیں :۔

۱۔ قربانی کے لیے ہرن اور پرندے مارنے چاہئیں۔ گذشتہ زمانہ میں ہمارے بزرگوں اور باعزت دیوتاؤں نے ایسا ہی کیا ہے۔

۲۔ اگلے زمانے میں رشیوں نے قربانی کے لیے ہرن اور پرندوں کو مارا ہے (منوادھیائے اشلوک ۲۳)

۳۔ ایشور نے جانوروں کو قربانی کے لیے پیدا کیا ہے یہ قتل قتل نہیں کہلاتا۔ (منوادھیائے اشلوک ۲۹)

۴۔ جانور، پرند قربانی کئے جانے سے دوسرے جنم میں اعلیٰ درجے پاتے ہیں۔ (ایضاً۔ اشلوک ۴۰)

۵۔ جو ہنسا اس دنیا میں وید کے حکم کے موافق ہے اس کو ہنسا یعنی جان کشی نہ جاننا چاہیئے۔ کیونکہ وید ہی سے دھرم نکلا ہے۔ مندرجہ بالا اشلوکوں سے ثابت ہوتا ہے کہ غذا حاصل کرنے کے لیے اور مناسب طریق سے کھانے کے واسطے یا قربانی کے لیے جانور ذبح کئے جائیں تو نہ کوئی گناہ ہے نہ پاپ ہے، نہ وید و روہ کے مخالف۔ البتہ محض کھیل تماشہ کی نیت سے بطور لہو و لعب جیسے بعض شکاری جانوروں کو مارتے ہیں۔ نیز حرام جانوروں کو مارنا منع ہے اور پاپ ہے۔ اس کی تشریح بھی خود منوجی نے کر دی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں ملا دنیا میں ساکن اور متحرک جس قدر اشیاء ہیں سب جان کی غذا ہیں۔ اس بات کو شری برہما جی (ایشور یعنی خدا) نے کہا ہے۔

(ایضاً اشلوک ۳۰)

اسی قسم کے کئی اشلوک منوسمرتی میں ملتے ہیں۔ ہم نے اس بحث کو صرف اس لیے نقل کیا ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ قربانی کی رسم ہندوستان میں قدیم سے چلی آتی ہے۔ اور اب تک اس کے آثار موجود ہیں۔ بلکہ ابتدائی ایام میں تو انسانی قربانی کا رواج تھا۔ کاشی جی بنارس میں وہ مقام موجود ہے جہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ ہندو راجوں مہاراجوں کی بیماریوں میں صدہا جانوروں کی قربانیاں کی جاتی تھیں پرانے راجوں مہاراجوں کی قربانیاں آج کل کے ناٹکوں اور اندر سبھاؤں کے تماشوں میں مذہبی رنگ میں دکھائی جاتی ہیں۔ بلکہ بچوں اور نوجوانوں اور عام آدمیوں کی قربانی بھی ہوتی تھی۔ اور اس قربانی کے مختلف مقاصد و مطالب تھے۔ یہودی تو سمجھتے تھے کہ قربانی ہمارے گناہوں کے مٹانے کا ذریعہ ہے۔ ان کا یقین تھا کہ خواہ ہم کیسا ہی گناہ کریں ایک بھیڑ یا بکری کو ذبح کر کے جلا دینا اس گناہ کو مٹا دیتا ہے۔ اور عیسائیوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت مسیح کا مصلوب ہونا ہمارے گناہوں کے کفارہ کا باعث ہو گیا۔

اسلام اور قربانی

دین اسلام چونکہ اس قسم کی کمزوریوں سے بالکل پاک تھا۔ اس نے ان تینوں قوموں کی اس غلطی کو بالکل آشکارا کر دیا۔ اور خدا کی مقدس کتاب (قرآن مجید) نے اس بات کا فیصلہ فرما دیا۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقوی منکم۔

ترجمہ:۔ خدا تک نہ تو ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے یعنی کسی کا گوشت اور خون خدا کو نہیں پہنچتا۔ وہاں تو دلوں کی صفائی اور قلبی طہارت کی قدر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے وہ ایک قسم کی عبادت قرار دے دی گئی کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کی رغبت صحیح طور سے معلوم ہوتی ہے۔ اسلام پاک میں قربانی صرف یہی ہے کہ اس نے حلال جانور کا گوشت کھانا جائز قرار دیا۔ چونکہ وہ خالق زمین و آسمان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ تاکہ باطل عقائد جو یہودیوں اور نصرانیوں اور دیگر مشرک اقوام کے ہیں مٹ جائیں۔ ایک عقلمند اور صحیح الفطرت انسان جب قربانی کی اصلیت پر غور کرتا ہے۔ تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانور کے ذبح کرنے کی نسبت تینوں قوموں کے عقائد نے کیسی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اور اسلام پاک نے ایک سادہ قربانی کا حکم دے کر ان کے ناپاک خیالات کی بنیاد کو ڈھا دیا ہے۔ ایک صحیح الفطرت

انسان اس راز کو سمجھ سکتا ہے۔ دیکھو عیسائی اب تک سخت دھوکہ میں ہیں۔

جسے وہ قربانی کہتے ہیں اور جو طریقہ انہوں نے یہودیوں سے اڑا لیا ہے۔ حضرت یسوع پر اس قربانی کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت عیسیٰؑ ان کے خیال کے مطابق صلیب پر جان دے کے پھر زندہ ہو گئے تھے۔ قربانی کا دستور ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہ ہو۔ جب زندہ ہو گئی تو پھر قربانی کہاں رہی۔ یہودی تو اپنے گناہوں پر ایک بے زبان جانور کو مار کر قربان کر دیتے تھے۔ مگر عیسائیوں نے اپنے خداوند کے صلیب پانے سے فائدہ اٹھا کر قیامت تک اپنے گناہوں سے سبکدوشی حاصل کی۔ یہی خیالات افریقہ کے بادیہ گردوں کے مدت دراز تک رہے ہیں۔

ایک شائستہ اور تعلیم یافتہ آدمی خیال کر سکتا ہے کہ ایک نوجوان شخص مظلومانہ بے رحمانہ حالت میں جبراً قتل کر ڈالا گیا اور اس کے معتقد بجائے رنج و افسوس کرنے کے اس کی اس دردانگیز موت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں یہ کیسا عقیدہ ہے۔ اس زمانے کے متمدن یورپ نے ان خیالات کو رد کر دیا ہے مگر دیسی عیسائی اب تک اس لکیر کے فقیر بنے چلے آتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کی بے بسانہ موت سے ہماری نجات ہو گی (العیاذ باللہ)

الغرض یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات کا دار و مدار بالکل جانور یا انسان کا گلا کاٹنے پر ہے۔ ایک یہودی یہ سمجھتا ہے کہ میں تمام عمر گناہ کرتا ہوں اور جب گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنا یا اپنے اوپر سے ٹالنا چاہوں گا تو فوراً ایک بھیڑ کو ذبح کر کے آگ میں ڈال دوں گا اور عیسائی کا یہ خیال ہے کہ یسوع ناصری کو جو نہایت بے بسانہ حالت میں زبردستی یہودیوں نے صلیب دے دیا۔ بس کل خداوند پکارنے والوں کی نجات ہو گی۔ (لاحول ولا قوۃ) یہ ہے اہل کتاب کا مذہب اور یہ ہیں اس کے اصول۔

جن مسیحی مؤرخوں نے یہ لکھا کہ اسلام نے قربانی کی رسم یہودیوں سے سیکھی بڑی غلطی کی کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کی قربانی کی نوعیت میں بڑا فرق ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا۔

اسلام میں قربانی کی تاکید

قرآن پاک کا حکم ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (القرآن) اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور اسی کے نام کی قربانی دو۔

پہلے نماز کا حکم دیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ! قربانی پر نماز مقدم کیا کرو اور اگر کوئی جانور ذبح کیا کرو تو اسی کے نام پر ذبح کیا جائے۔ جس کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور باقی وہ جانور جو دوسری طرح سے ذبح کئے جاتے ہیں مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہیں۔ قرآن کریم میں سوائے اس کے قربانی کے متعلق اور کچھ نہیں کہا گیا۔ یہ ہرگز نہیں سمجھایا گیا کہ قربانی چھوٹے بڑے تمام گناہوں کا کفارہ ہے یا یہ کہ اس سے انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کے فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ البتہ احادیث میں گناہوں کی معافی کی بشارت موجود ہے۔ مگر اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندہ قربانی سے خدا تعالیٰ سے خلوص کو جو اس کے دل میں ہوتا ہے ظاہر کرتا ہے اور اپنے مال سے ایک رقم صرف کر کے جانور ذبح کرتا ہے۔ فقراء و مساکین اور عزیز و اقربا کو گوشت کھلاتا ہے۔ یہ ایک قابل اجر و ثواب عمل ٹھہرتا ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہوتا ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھواتا ہے اور ان کے گناہوں کی مغفرت کی جاتی ہے۔ عید کے روز اگرچہ خون بہانا سب عبادات سے افضل قرار دیا گیا ہے مگر خدائے پاک کے مقدس ارشاد سے جو پہلے بیان ہو چکا ہے قربانی کا اصل مقصد تقویٰ ہے جو تمام عبادتوں کی جان ہے۔ تقویٰ ہی تمام اعمال کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔ متقی ہی ہدایت یافتہ اور جنت کے وارث ہیں۔ متقیوں ہی کو اعمال کا اجر غیر ممنون ملنے والا ہے اور متقی کوئی شخص نہیں بن سکتا جب تک تمام منہیات شرعیہ سے نہ بچے۔ اور تمام احکام الٰہی کو دل و جان سے بجا نہ لائے۔ اگر آدمی کو تقویٰ ہی حاصل نہ ہو تو خون بہانا اور گوشت خیرات کرنا اسلام پاک کی نگاہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ عید میں مکلف کی کئی چیزیں واجب ہیں۔

اول معاصی کا ترک کرنا : اس لیے کہ گناہ کرنا اگرچہ ہر وقت بُرا ہے لیکن بعض اوقات اس وقت کی شرافت کے سبب قباحت میں بہت زیادہ اور جرم میں بہت سخت ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ترک کرنا لازم و واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرًا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض منھا اربعۃ حرم ذالک الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم۔ اللہ کے نزدیک مہینوں کا شمار بارہ ہے۔ کتاب اللہ میں جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہی پکا اور سیدھا دین ہے۔ پس ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو وہ چار مہینے ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور رجب ہیں۔ ان مہینوں کی حرمت یہی ہے کہ ان میں کوئی بُرا اور گناہ کا کام نہ کیا جائے۔ کیونکہ جس طرح ان میں نیک عملوں کا ثواب زیادہ ہے گناہوں کا عتاب و عذاب بھی سخت اور زیادہ ہے۔ اسلام پاک یہ سکھاتا ہے کہ آدمی ان اوقات کی تعظیم کرے اور وہ تعظیم صرف نیک اعمال کی کثرت ہے اور جو شخص اس سے عاجز ہو تو کم از کم اس کی تعظیمی حالت یہ ہو کہ ان وقتوں میں ان چیزوں سے بچے جو اس پر حرام اور اس کے لیے مکروہ ہیں اور دیگر ممنوعات کو ترک کر دے اور اپنی نماز اور قربانی کو خالصاً لوجہ اللہ بنا دے اور اسی کا ہو رہے۔ اور اس کے ماسوا سے منہ موڑ لے۔ ایام عیدین اور ان کی راتوں میں جو لوگ لہو و لعب اور ناٹکوں اور تماشہ گاہوں وغیرہ میں جاتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کی طرف دوڑتے ہیں وہ خوب سوچیں اور ان سے تائب ہو جائیں۔

اب ہم قربانی کی اصلیت اور اس کے اقسام کا فلسفہ بتلاتے ہیں اور اس میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : لن ینال اللہ لحومھا ولا دمائھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچ سکتا بلکہ اس کو تمہاری طرف سے تقوٰی پہنچتا ہے۔

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ اسلام میں قربانی ایک خاص فضیلت اور خصوصیت رکھتی ہے۔ قربانی کی تائید میں جس قدر احادیث اور دیگر مضامین آپ نے سن لیے ہیں ان میں سب سے زیادہ قابل لحاظ وہ حدیث ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک موجود ہے۔ من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔ (مسند ابن حنبل و ابن ماجہ) جو شخص باوجود قدرت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

اس قدر شدید تاکید کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک وقت ایک عبادت کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ تک وہ عبادت مقرر ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ نے ادا کیا تھا۔ ان ایام میں اگر کوئی اور عبادت اس سے افضل ہوتی تو حضرت اسمٰعیلؑ کو کیوں فدیہ دیتے اسی بناء پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس دن خون گرانا ہی ضروری ہے۔

قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے وہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ صاحب خلاصہ نے لکھا ہے کہ دس درہم کو قربانی خریدنا اور ذبح کرنا ہزاروں درہم کے تصدق کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جب قرب الٰہی خون بہانے سے حاصل ہوتا ہے وہ خیرات کرنے سے نہیں ہوتا۔ یہ فتویٰ بالکل درست اور بجا ہے لیکن یاد رہے کہ اس دن خون بہانا اگرچہ سب عبادات سے بہتر ہے مگر اللہ تعالیٰ کا مندرجہ عنوان ارشاد کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا لیکن اس کو تقوٰی تمہاری طرف سے پہنچتا ہے ضرور قابل لحاظ ہے۔ جو صاف ظاہر کرتا ہے کہ صرف خون بہانا اور گوشت کھلانا معتبر نہیں ہے۔ بلکہ اعتبار تقوٰی کا حاصل کرنا ہے جو تمام عبادتوں کے مقبول ہونے کی شرط ہے۔ چنانچہ خدائے پاک کی مقدس کتاب اس کی شہادت بدیں الفاظ دیتی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے "اللہ تعالیٰ صرف تقوٰی والوں ہی سے قربانی قبول کرتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تقوٰی بدوں تمام منہیات سے باز رہنے اور تمام احکام کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب یہ حاصل نہ ہوا تو خون بہانا اور گوشت خیرات کرنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اس آیت شریفہ نے قربانی کی حقیقت واضح کر دی

اور بتایا کہ وہ صرف ایثار نفس و فدویت جان و روح کے اظہار کا ایک طریقہ ہے اس کا گوشت یا خون خدا تک نہیں پہنچتا۔ خدا تو صرف خالص نیتوں اور پاک صاف دلوں کو دیکھتا ہے اور بس۔

اسلامی قربانی کی حقیقت

انبیاء علیہم السلام قوموں کے لیے مصلح ہو کر آئے ہیں۔ وہ رسومات سابقہ کا استیصال کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ان میں جو رسم محض اور توہم پرستی پر مبنی ہو اس کو باطل کہہ دیتے ہیں اور جس رسم کی اصل صحیح ہو مگر اس کے ساتھ کچھ غلطی مل گئی ہو اس میں سے صرف غلطی کی اصلاح فرما دیتے ہیں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۰ صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے کہ باستثنائے اہل فلسطین قدیم کنعانیوں میں انسانی قربانی کا رواج تھا۔ جناب ابراہیمؑ نے اپنے رؤیا کے مطابق جب بجائے لڑکے کے مینڈھا ذبح فرمایا تو اس طریقہ سے انسانی قربانی کا ازالہ فرما کر حیوانی قربانی اس کے قائم مقام کر دی حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے جذبات محبت ماسوائے اللہ کے اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی جان نفس کی جو قربانی کی اس کی یادگار میں اسلامی قربانی ہے۔ فی الحقیقت یہی فدیہ ذبح عظیم تھا۔ جیسا کہ خدائے پاک کی کتاب قرآن مجید میں ہے۔

"اور جب دونوں (باپ اور بیٹے) تعمیل حکم پر آمادہ ہوئے اور حضرت ابراہیمؑ نے جوش قربانی میں اپنے محبوب فرزند کو ماتھے کے بل پچھاڑا تاکہ راہ حق میں ذبح کر ڈالیں تو اس وقت ہم نے پکارا کہ اے ابراہیمؑ! بس کرو، بلاشبہ تم نے اپنے رویائے صادقہ کو پورا کر دکھایا۔ ہم اس طرح ارباب حق و احسان کی جاں فروشیوں اور قربانیوں کا صلہ دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے یہ قربانی اس طرح قبول کر لی کہ اس کے فدیہ میں ایک عظیم الشان اور دائمی قربانی قرار دی تاکہ یہ پاک یادگار دنیا میں قائم و دائم رہے۔"

خدا کی قائم کی ہوئی یادگاریں کاغذوں، اینٹ، پتھروں کی دیواروں اور خالی زبانوں کی روایتوں میں باقی نہیں رکھی جاتیں۔ یہ سب انسانوں کے کام ہیں وہ اپنے جس بندہ کو بقائے دوام کے لیے چن لیتا ہے اس کی یادگار کو مجمع انسانیت کے سپرد کر دیتا ہے اور نوع بشری اس کی حامل بن جاتی ہے پس نہ تو وہ مٹ سکتی ہے اور نہ کوئی اسے مٹا سکتا ہے۔

آج بھی کروڑوں انسان کرۂ ارض پر موجود ہیں جو اس اسوۂ ابراہیمی کی یاد مناتے ہیں اور ہر سال زندہ رکھتے ہیں۔ یہ خدا کی مشیئت اور اس کی مرضی ہے کہ اب تک اسوۂ ابراہیمی کا پیکر بنایا گیا جو اسلام کے تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔

یہ قربانی جس کا خون ہر سال میدانِ منیٰ میں جوش زن ہوتا ہے اور "ذبح عظیم" جسے ہر مسلمان ذوق و شوق سے کرتا ہے۔ فی الحقیقت اسلام کی حقیقت اعلیٰ کی ایک تمثیل ہے جس کے پردے میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان باللہ کا دار و مدار قربانی پر ہے اور جب تک یہ مقام حاصل نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی ہستی مومن و مسلم نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا متقی اور پرہیزگار بنائے آمین یا الٰہ العالمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

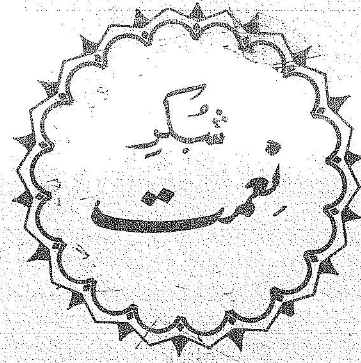
نماز عیدالاضحیٰ

نماز عیدالاضحیٰ باغ بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے حضرت مولانا عبیداللہ انور پڑھائیں گے۔ مستورات کے لیے پردہ کا انتظام ہو گا۔ (ناظم انجمن)

محدث بنوری علیہ الرحمۃ

[illegible] کی یاد میں خصوصی اشاعت

کی تیاری جاری ہے۔ ارکانِ عملہ مسلسل محنت کر رہے ہیں۔ تاکہ یہ نمبر حضرت السید بنوری کی شایان شان بن سکے۔ مضامین نگار حضرات کی خصوصی توجہ درکار۔ نیز حضرت والا کے خطوط و تحریرات جن حضرات کے پاس ہوں عاریۃً عنایت فرمائیں استفادہ کے بعد امانت واپس کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادوں میں برکت عطا فرمائے۔ (ادارہ)



تالیف
محمد احمد برانق المصری
ترجمہ
مولانا عبدالصمد صارم

۱۔ بنی اسرائیل کے ایک گاؤں میں ظلم و ستم کا دور دورہ تھا گناہوں کی گرم بازاری تھی۔ لوگ سنگ دل تھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اُس کے فضل و کرم کو بھلا چکے تھے۔ انہیں یاد نہ رہا تھا کہ وہی نعمتوں اور برکتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ جس سے چاہتا ہے اپنی نعمت چھین سکتا ہے اور شکر کرنے والے کو مزید عطا کرتا ہے۔

ایک گاؤں میں تین شخص تھے، کوڑھی، گنجا اور اندھا، جن کو اللہ تعالیٰ نے آزمانا چاہا۔ یہ لوگ اپنے اور گاؤں کے لیے مصیبت کا باعث بن گئے۔

اوّل اوّل اللہ تعالیٰ نے انہیں اچھی شکل و صورت کے ساتھ پیدا کیا تھا۔ اُن کے جسم اور حواس سب درست تھے۔

کوڑھی کی جلد بڑی خوب صورت تھی، رنگ سفید اور سُرخی مائل تھا جس سے طاقت، صحت اور جوانی ٹپکتی تھی۔

گنجے کے بال سیاہ، نرم اور لمبے تھے جو اُس کے حُسن میں اضافہ کرتے تھے۔

اندھے کی آنکھیں پوڑی چوڑی تھیں جن سے سحر اور فتنہ پروری ظاہر ہو رہی تھی۔ یہ تینوں گاؤں والوں کے لیے موضوعِ سخن بنے ہوئے تھے۔ ہر جگہ اُن کا چرچا تھا اور سب لوگ ان کے حسن و جمال پر رشک کرتے تھے۔

کوڑھی خود پسند تھا، وہ ناز و انداز سے چلتا تو لوگوں کے دل کھینچ لیتا۔ بہت سے لوگ اس پر فریفتہ تھے۔ اور اسے اپنا محبوب خیال کرتے تھے۔ اس وجہ سے اس کی خود پسندی میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے گمان کیا کہ اس کی پیدائش اس کی مرضی [illegible] مطابق ہوئی ہے۔ خواہشاتِ نفسانی نے اسے اللہ تعا[illegible] سے [illegible]ل کر دیا اور وہ

اور غرور کا نمونہ اور بُرائی کا سرچشمہ بن گیا۔ وہ لوگوں کو گناہ پر اکساتا۔ اس طرح دُنیا ضلالت اور فساد سے بھر گئی۔ گنجا اپنی زلفِ دراز پر نازاں تھا۔ وہ ان سے ضعیف اور کمزور عورتوں کے دل پھنساتا۔ اس طرح وہ فتنہ اور گمراہی کا مرکز بن گیا اور دُنیا کو ضلالت اور فساد سے معمور کرنے لگا۔

اندھا اپنی چمکتی آنکھوں، پلکوں کی باریکی اور سرمہ بھری نظروں پر فخر کرتا، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا۔ ہر وارفتہ مزاج عورت اس سے محبّت کرتی۔ اس طرح لوگ عیش و عشرت میں پڑ گئے اور سارے گاؤں میں گمراہی اور فساد پھیل گیا۔

۲۔ اِن تینوں سے پہلے گاؤں میں آرام و سکون تھا۔ لوگ امن و سلامتی سے رہتے تھے، محبّت اور اطمینان کی حکمرانی تھی، صبح ہوتی تو اللہ کا نام لے کر جاگتے اس کی حمد و ثنا کرتے کہ وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، حُسن اور رزق کا عطا کرنے والا اور موت کو وقت پر لانے والا ہے۔ وہ ایک سچے مومن کی طرح اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے خوشی خوشی اپنے کاموں میں لگ جاتے۔ ان کو یقین تھا کہ وہ کوشش کرنے والوں اور راضی رہنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے اور ان کے مقسوم کے مطابق رزق دیتا ہے، لہٰذا وہ سعادت، کامیابی اور نعمتوں سے بہرہ یاب تھے۔

کسان اپنے مال و مویشی کو کھیت پر لے جاتا فصل کو [illegible]ت کرتا اور پانی دیتا۔ اپنے جانوروں

کی دیکھ بھال کرتا اور ان کو پانی پلاتا، دکان دار اللہ کا نام لے کر اپنی دکان کھولتا۔ مال و اسباب ترتیب سے رکھتا۔ خریداروں سے ہشاش بشاش ہو کر ملتا اور انہیں دھوکا نہ دیتا۔ کاریگر اپنے کام میں اللہ کی مدد کا خواہاں ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا لوگ اپنے اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر شام کو گھر لوٹتے تو نیک بیوی، شفیق والدہ اور فرماں بردار بچوں کو منتظر پاتے۔ اطمینان اور خوشی سے کھانا کھا کر ایک دوسرے سے ملنے جاتے۔ دوستوں کی خبر گیری کرتے۔ مریضوں کی عیادت کرتے۔ غیر حاضر کو ڈھونڈتے، ہمسایہ سے حسن سلوک کرتے۔ مجالس میں خوش گپیاں کرتے۔ جن میں چغلی، غیبت اور حسد و عداوت کا گزر نہ تھا۔

لیکن جب یہ تینوں یعنی کوڑھی، گنجا اور اندھا ظاہر ہوئے گاؤں کی یہ حالت قائم نہ رہ سکی۔ انہوں نے فتنہ و فساد سے گاؤں کو بھر دیا، عورتوں کے دلوں کو ان کے مردوں سے پھیر دیا۔ عورتوں میں عشق و عاشقی اور مکر و فریب وغیرہ کا چرچا رہنے لگا۔ لوگ غیبت، چغلی اور حسد و عداوت میں مصروف ہو گئے اور شیطان کو موقع مل گیا۔ کہ لوگوں کو اپنے جال میں پھانس کر ان کے اعمال و معائش سے غافل کر دے۔ حرام کو حلال ٹھہرا دے اور پاک کو ناپاک کر دے۔ ان کے دلوں میں بگاڑ اور ایمان میں خلل پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کی یاد کو بھلا دے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان تینوں کو جنہوں نے سارے گاؤں کو گمراہی، ٹھگی اور دھوکہ بازی سے معمور کر دیا ہے مثالِ عبرت بنا دے تاکہ آنے والی نسلوں کو اس سے عبرت حاصل ہو، اور وہ گمراہی کے فساد اور گناہ کے انجام کو دیکھ سکیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوڑھی کے جسم کا رنگ تبدیل ہو گیا، خوش نمائی جاتی رہی، سرخی زائل ہو گئی، چہرے پر سیاہ دھبے پڑ گئے، ہاتھ کریہہ المنظر ہو گئے۔ اور اس کی حالت پرانے کپڑے کی طرح ہو گئی جس پر جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے ہوں۔ اس طرح اس کی شکل و شباہت بگڑ گئی جس کو دیکھ کر گھن آتی تھی۔ لوگوں نے اس کا یہ حال دیکھا تو حیرت میں پڑ گئے۔ اس پر رحم کھانے لگے اور اس کی صحبت سے گریزاں رہنے لگے۔ ایک وقت تھا کہ لوگ اس کی ملاقات کے متمنی رہا کرتے تھے۔ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے، لیکن اب اسے دیکھ کر گھبراتے اور اسے کسی رحم و محبت کا مستحق نہ سمجھتے۔

مدتیں گزر گئیں اور وہ کس مپرسی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ لوگ اس کی بیماری کی وجہ سے اس کی صورت سے دور بھاگتے تھے۔ دوستوں نے آنکھیں پھیر لی تھیں، جب کبھی اسے دیکھتے تو منہ پھیر لیتے، وہ جب بھی کسی سے کچھ کہتا تو سختی سے جواب پاتا۔ بالآخر وہ تنہائی کی زندگی سے تنگ آ گیا۔ دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ مفلس و قلاش ہو گیا۔ کھانے تک کو محتاج ہو گیا اور چاہتا کہ کاش اس کو موت ہی آ جائے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے گنجے کے سر کے بال گر گئے۔ پھر دنبل پھوڑے نمودار ہوئے جو پھٹ کر بہنے لگے۔ لوگوں کی نفرت کا یہ حال تھا کہ دیکھتے تو آنکھیں پھیر لیتے اور اس کی بدبختی پر افسوس کرتے۔ دوست جو پہلے اس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے اس سے دور رہنے لگے، مبادا بیماری انہیں لگ جائے۔

وہ اس پر اپنے دل میں گھٹن محسوس کرتا گزرے ہوئے زمانے پر ماتم کرتا، پرانی یادوں سے دل بہلاتا، دنیا میں اپنی تنہائی اور بے نصیبی پر آٹھ آٹھ آنسو روتا پھر بھی اسے نہ تسلی ہوتی نہ قرار، آخر پیسے پیسے کو محتاج ہو گیا اور پیٹ بھرنا مشکل ہو گیا۔ الغرض تمنا کرتا کہ موت ہی قبل از وقت آ کر اس کا کام تمام کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اندھا بصیرت سے محروم ہو گیا۔ آنکھوں کی چمک جاتی رہی۔ اس کی سحر طرازی باطل ہو گئی۔ دل پر حسرت نے قبضہ کر لیا۔ ساری خوش طبعی جاتی رہی۔ غم و اندوہ نے دل تھام لیا اور دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ راستہ تک اسے دکھائی نہ دیتا۔ لوگ دور رہنے لگے، تنہائی الگ کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ مال و رزق سے محروم ہو کر روٹی تک کا محتاج ہو گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔

یہ تینوں ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے فضل پر شکر ادا نہیں کرتے اور احسان فراموش ہوتے ہیں زندہ مثال تھے۔

ان تینوں کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے اور ان کی حیرت اور دہشت کا باعث تھے۔

کوئی کہتا: "یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔"

دوسرا کہتا: "اس میں اس کی کوئی حکمت ہے۔"

کوئی کہتا: "یہ لوگ عبرت زمانہ ہیں۔"

ایک دن تینوں ایک جگہ جمع ہوئے۔ اپنے اپنے نصیبے کو کوسنے لگے اور گزرے ہوئے خوش گوار ایام کا جن سے وہ بہرہ ور تھے ذکر کرتے ہوئے اپنے گناہوں، لغزشوں اور فتنہ پردازیوں پر افسوس ظاہر کرنے لگے کیونکہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ عذاب الٰہی ان پر کفرانِ نعمت کے سبب سے نازل ہوا ہے، لہٰذا انہوں نے پختہ نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے اپنے گناہوں کا اقرار کریں، اپنے جرم کو مانیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ مغفرت چاہنے والوں کو بخشنے والے اور توبہ قبول کرنے والے ہیں۔ سب نے پکّا ارادہ کیا کہ صدق دل سے اپنے دل کو گناہوں سے پاک کرکے سیدھا راستہ اختیار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کا اقرار کریں گے اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور نہ اس کے بندوں کو گمراہ کریں گے، شاید اس کو ان کی بے چارگی پر رحم آ جائے اور ان کی لغزشوں کو معاف کرکے توبہ قبول فرمائے اور پہلے زمانہ کی طرح ان پر اپنی نعمتیں ارزاں فرمائے۔ اس کے بعد انہوں نے سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کی پہلی حالت عود کر آئے تو اس کے احسان کے شکر گزار ہوں گے، اس کے حکم کے مطابق نعمتوں کو کام میں لائیں گے، جس چیز سے اس نے روکا ہے، اس سے دُور رہیں گے اور لوگوں کے لیے رحمت کا باعث بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان کے دلی بھیدوں اور سرگوشیوں کو جانتا تھا۔ اس کی مشیّت کا تقاضا تھا کہ وہ پہلوں اور پچھلوں کے لیے عبرت اور گاؤں والوں کے لیے زندہ مثال بن جائیں۔ تاکہ آنے والی نسلیں ان کے واقعات دہراتی رہیں۔

۴۔ اندھیری اور خاموش رات میں کوڑھی اپنی کوٹھڑی کے گوشہ میں لوگوں سے الگ تھلگ پڑا ہوا اپنی حالت پر غور و فکر کرکے اللہ کے حضور میں اپنا دکھ یاد کرکے رو رہا تھا کہ ایک فرشتہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک رحم دل انسان کی صورت میں بھیجا تھا۔

فرشتہ نے اسے سلام کیا اور پوچھا "کیوں رو رہے ہو؟"

جذامی نے کہا: "میرا جسم بہت خوب صورت تھا، میرا رنگ بہت اچھا تھا۔ لیکن اللہ نے یہ سب کچھ لے لیا"

فرشتے نے پوچھا: "کیا یہ تیرا جسم اور رنگ تیرے تکبّر، غرور اور کفرانِ نعمت کا سبب نہ تھا؟" کہا:۔ "ٹھیک ہے میں انجان تھا، مجھے اب پتہ چلا، غافل تھا، اب جاگا اور مجھے مصائبِ زمانہ کا اندازہ نہ تھا، میں اب ہوشیار ہو گیا ہوں۔"

فرشتہ نے پوچھا: "کیا تم نے اپنے سفید رنگ اور نرم و نازک جسم سے لوگوں کو فتنہ میں نہ ڈالا تھا؟" کوڑھی بولا۔ "ہاں درست ہے ان کی محبت نے مجھے غرور اور بے جا تعریف و ستائش نے طیش میں مبتلا کر دیا تھا۔ مجھے خیال نہ تھا کہ گناہ، نعمت کے زوال کا سبب بنتا ہے اور بھلائی اور نیکی جاتی رہتی ہے۔" فرشتہ نے پوچھا "کیا گاؤں میں تیرے بُرے اور شریر ساتھی نہ تھے، جو تیرے اردگرد منڈلاتے رہتے تھے، صبح و شام تیرے شریک و ہمدم و دمساز تھے۔ یہ سب آج کہاں چلے گئے؟"

جذامی بولا: "ہاں واقعی میرے دوست تھے جن کو میں مخلص سمجھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ ان کی دوستی پائدار ہو گی لیکن وہ سب مجھ سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، بیماری لگ جانے کے خوف سے الگ ہو چکے ہیں، میری غربت، ناچاری، بدصورتی اور کریہہ المنظری کی وجہ سے مجھ سے جدا ہو چکے ہیں۔"

فرشتے نے پوچھا: "یہ آنسو کس پر بہاتے ہو، اور آہ و زاری کس شے پر کرتے ہو، جو ہاتھ سے نکل گیا اس پر افسوس ہے یا کسی کی یاد ستاتی ہے؟"

کوڑھی نے جواب دیا: "یہ تو ندامت کے آنسو اور توبہ کے لیے آہ و زاری ہے۔ نعمت عطا کرنے والے اللہ کی جناب میں عرض معروض ہے کہ میری لغزشوں سے درگزر کرکے میری خطائیں بخش دے۔ مجھے میرا خوب صورت جسم اور رنگ دوبارہ مل جائے اور میں عیش و آرام کی زندگی بسر کروں۔"

فرشتے نے پوچھا کہ "اگر یہ تمام چیزیں تمہیں دوبارہ مل

جاؤں تو کیا فتنہ پردازی سے باز رہوگے اور گناہوں سے الگ رہو گے ؟

جذامی نے کہا : "کیا ایسا ہو سکتا ہے ؟ یہ تو میری ساری عمر کی آرزو ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے پکّا عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نیک اور پارسا بن کر رہوں گا"۔

فرشتہ بولا : "تمہیں خوش خبری دی جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہاری کمزوری اور ناچاری کو دیکھ کر توبہ قبول کر لی ہے۔ تمہارے عیبوں کا پردہ پوشی کی ہے اور چھینی ہوئی نعمت دوبارہ عطا کی ہے"۔

یہ کہہ کر فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرا تو وہ بھلا چنگا ہو گیا اور خوب صورت نظر آنے لگا۔

فرشتے نے دوبارہ پوچھا کہ مال مویشی میں سے کیا پسند کرتے ہو ؟ جواب ملا کہ "اونٹ" ! فرشتے نے اس کو ایک گابھن اونٹنی عطا کر دی اور کہا : کہ "اللہ تعالےٰ تجھے اس میں برکت دے"۔

ادھر گنجا اپنے گھر میں لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ کہیں باہر نہ جاتا ، خستہ حال اور غم ناک ہو کر پڑا رہتا۔ اپنے نصیبہ کو روتا اور گزرے ہوئے اچھے دنوں کو یاد کرتا فرشتہ نے اس کا بھی دروازہ کھٹکھٹایا اور سلام کر کے پوچھا : - کیوں غمگین ہو ؟"

گنجے نے کہا : "میرے بال بڑے خوبصورت تھے جو اللہ نے لے لیے اور مجھے اس موذی مرض میں مبتلا کر دیا ، جس کی وجہ سے مجھ سے لوگ متنفّر ہو کر جدا ہو گئے۔ اب میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں نہ میرا کوئی دوست ہے نہ ساتھی"۔

فرشتے نے کہا : "کیا یہ تیری دراز زلفیں تیرے تکبّر ، غرور اور دوسرے لوگوں کے لیے گمراہی اور فساد کا موجب نہ تھیں ؟"

گنجے نے کہا : "ہاں درست ہے ، لوگوں کی حد سے زیادہ مدح و توصیف نے مجھے غرور میں مبتلا کر دیا تھا اور شیطان کے پھندے میں ڈال دیا تھا۔ اس لیے نہ مجھے گناہ کا خیال رہا نہ حرام کا اور نہ ہی یہ ہوش رہا کہ اس کے بعد اللہ کا غضب اتر سکتا ہے اور وہ اپنی دی ہوئی نعمت کو واپس بھی لے سکتا ہے۔ فرشتے نے پھر پوچھا : کہ وہ جو تیرے بڑے ساتھی تھے ، اور ہر گمراہی اور فساد کا سبب تھے جن کی ہمیشہ آمد و رفت لگی رہتی تھی وہ آج کہاں ہیں ؟" جواب ملا : درست ہے وہ میرے دوست تھے جن کو میں مخلص خیال کیا کرتا تھا وہ مجھ سے اور میں ان سے محبت کیا کرتا تھا۔ وہ میری اور میں ان کی عزّت و تعظیم کیا کرتا تھا ، میرا خیال تھا کہ وہ مصیبت اور تنگی کے وقت کام آئیں گے مگر آج سب دغا دے گئے۔ نہ انہوں نے عہد کا پاس کیا نہ محبّت کا لحاظ ، میری بیماری کی وجہ سے سب ساتھ چھوڑ چکے ہیں"۔

فرشتہ کہنے لگا : لیکن اب روتے کیوں ہو ؟ تمہاری آنکھیں زخمی کیوں ہیں ؟ کیا زمانۂ گزشتہ اور اس کی لذّتوں کو یاد کر رہے ہو ؟"

جواب ملا : یہ تو گناہوں پر ندامت کے آنسو ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ جو کچھ ہو چکا اس پر اللہ تعالیٰ کی بخشش کا طالب ہوں شاید وہ میرے گناہ معاف کر کے دوبارہ خوب صورت بال عنایت کر دے کیونکہ لوگ مجھے کریہہ اور بدصورت جان کر مجھ سے پرہیز کرتے ہیں"۔

فرشتے نے پوچھا : "کہ اگر تمہیں دوبارہ بال مل جائیں تو لوگوں پر اپنی بڑائی تو نہیں جتاؤ گے۔ ان کو حقیر تو نہ جانو گے اور انہیں ناپاک زندگی کی طرف نہ بلاؤ گے ؟"

گنجے نے کہا : تو کیا اللہ میری توبہ قبول کر لیں گے ؟ اور مجھے اس مرض سے شفا بخشیں گے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں عہد کرتا ہوں کہ اس فسق و فجور کی زندگی سے دور رہوں گا۔ ناؤ نوش سے الگ رہوں گا اور لوگوں میں فتنہ اندازی نہ کروں گا"۔

جواب ملا : "تو پھر تجھے خوش خبری ہو کہ اللہ نے تیری ندامت کے بعد توبہ قبول فرمائی اور اپنی نعمت دوبارہ عطا کر دی۔ یہ کہہ کر اس پر ہاتھ پھیرا تو بال اس کے سر پر اُگ آئے ، مرض کا نام و نشان نہ رہا اور خوب صورت بال نکلنے لگے۔

فرشتے نے پوچھا : "مال مویشی میں سے کونسی چیز پسند کرتے ہو ؟" جواب دیا : "گائے"۔ فرشتے نے اس کو ایک گابھن گائے دے دی اور کہا : اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیں گے"۔

اندھے کی یہ حالت تھی کہ گھر میں پڑا رہتا ، اپنی سیاہ کاریوں پر سوچ بچار کرتا اور نہ اس کا کوئی دوست ہی اس سے ملنے آتا اور نہ کوئی اس کی حاجت روائی کرتا۔

ایک دن وہ اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کو دفعتاً محسوس ہوا کہ دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے اور ایک شخص اس کے گھر میں گھس آیا ہے اور اس سے پوچھ رہا ہے۔ "تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم غم والم کی تصویر کیوں بنے ہوئے ہو؟ گوشہ گزینی کیوں اختیار کر لی ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کے مصائب تم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔" اندھے نے جواب دیا: "میری بڑی بڑی خوبصورت اور سحر انگیز آنکھیں تھیں وہ اللہ نے لے لیں۔"

فرشتے نے پوچھا: "کیا یہ تیری بڑی اور خوبصورت آنکھیں تیرے تکبر اور فخر کا سبب نہ تھیں۔"

جواب ملا: "ہاں ٹھیک ہے، میرے دل میں کسی چیز کا اندیشہ نہ گزرتا تھا۔ میں ناتجربہ کار اور انجام سے بے خبر تھا۔ شیطان نے مجھے دھوکا دیا اور گناہ پر اکسایا پھر میں گناہوں کا ارتکاب کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ یہ مصیبت مجھ پر ٹوٹ پڑی اور میں ہوش میں نہ آیا۔"

فرشتہ کہنے لگا: "کیا یہ تیری سحر طراز آنکھیں لوگوں کو باطل میں نہ ڈال دیتی تھیں؟ حق سے نہ بھٹکا دیتی تھیں؟ اللہ سے غافل نہ کر دیتی تھیں؟ وہی اللہ جو روشنی کا پیدا کرنے والا اور نور کا بخشنے والا ہے۔"

جواب ملا: "درست ہے، لوگوں کی حد درجہ مدح و توصیف نے مجھ میں تکبر اور فخر پیدا کر دیا تھا۔ پھر میں نے سچائی سے آنکھیں بند کر لیں اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اللہ کے ذکر کو بھول گیا اور گناہ کے انجام سے غافل ہو گیا۔"

فرشتہ پوچھنے لگا: "تمہارے دوست! جو صبح و شام سایہ کی طرح تمہارے پیچھے لگے رہتے تھے جن کی یہ تمنا تھی کہ تم ایک نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ لو، تمہاری حاجت روائی لپک کر کرتے تھے اور خدمت کے لیے دوڑتے چلے آتے تھے۔"

جواب ملا: "درست ہے، واقعی میرے دوست بھی تھے جن پر میں برے وقتوں کے لیے اعتماد کئے ہوئے تھا۔ لیکن مجھے پتہ نہ تھا کہ وہ مجھ سے نفع اٹھانے اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے دوستی کا دم بھر رہے ہیں۔ جب مجھ پر مصیبت آن پڑی تو چھوڑ کر چل دیے۔ اب نہ کوئی میرا ہاتھ پکڑنے والا ہے اور نہ صبح و شام میں فرق بتانے والا ہے۔"

فرشتے نے پوچھا: "تو پھر یہ رونا دھونا کیوں ہے؟ تم ہی نے تو اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اللہ کے حق میں تجاوز کیا ہے۔ دوستوں کا حد سے زیادہ اکرام کر کے شیطان کے مطیع ہو گئے، ہمیں کیا معلوم کہ تم گزرے ہوئے زمانے پر افسوس کھا کر اللہ تعالیٰ سے عفو اور بخشش کے طالب ہو۔"

جواب ملا: "نہیں، یہ تو ندامت کے آنسو ہیں، میں اللہ کی طرف عاجزی کر کے کہتا ہوں کہ وہ میرے گناہ بخش دے، میری خطاؤں سے درگزر کرے، میرے حال پر رحم کرے اور میرا نورِ بصیرت واپس کر دے تاکہ پھر جہان کو دیکھ سکوں۔"

فرشتے نے پوچھا: "اگر تمہیں آنکھوں کی بینائی مل جائے تو کیا تم اپنی قدیم گمراہی کی طرف نہیں پلٹ جاؤ گے؟"

اندھے نے جواب دیا: "میں تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کروں گا اس کا شکرگزار بندہ بنوں گا اور اس کے فضل و نعمت کا اقرار کرتے ہوئے نیک اعمال اختیار کروں گا۔"

جواب ملا: "تو پھر تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ نے تمہاری سن لی۔ تمہاری دعا اور توبہ قبول کر لی، تمہارے گناہ بخش دیے اور تمہاری نعمت دوبارہ بخش دی۔"

یہ کہہ کر فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ روشن ہو گئیں۔ پھر پوچھا: "کونسا مال و مویشی پسند کرتے ہو؟" جواب ملا: "بھیڑیں۔" فرشتے نے ایک گابھن بھیڑ اسے عطا کر دی اور کہا: "اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیں گے۔"

۵۔ اب ان تینوں آدمیوں کی حالت بالکل بدل گئی صحت عافیت، طاقت اور رزق کی وسعت سب چیزیں مل گئیں۔ ان کو دیکھ کر لوگ تعجب کرنے لگے۔ سارے گاؤں میں ان ہی کا چرچا تھا اور لوگوں کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا ہے۔ ان کے گناہ معاف کر دیے ہیں اور اپنی رحمت و برکت سے نوازا ہے۔

جذامی کی اونٹنی نے بہت سے بچے دیے۔ اس کی نسل اللہ کی برکت سے خوب پھلی پھولی، انھوں نے خوب دودھ دیا، پشم خوب پیدا ہوئی اور گوشت کی فراوانی ہوئی۔ گنجے نے خوب کھایا اور عیش کئے، بڑی دولت جمع کر لی، وسیع چراگاہیں خرید لیں، جائداد پیدا کر لی اور نوکر چاکر رکھ لیے۔ گاؤں والے اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے۔ اس کے گرد لوگوں کا جمگھٹا رہتا۔ جب رات دن بے جا تعریف ہونے لگی تو اس کے رنگ، جسم، حسن اور

جمال کی خوبیاں بیان ہونے لگیں جس سے اس میں دوبارہ تکبر پیدا ہو گیا اور اپنی مصیبت کو بھول گیا۔ فرشتے سے جو وعدہ کیا تھا وہ اسے یاد نہ رہا۔ گنہگاری اور عصیان کاری میں دوبارہ پڑ گیا۔ فقیر، محتاج، ضرورت مند کو بھلا بیٹھا۔ اللہ کے راستے میں بُخل اور شیطان کے راستے میں بے جا اسراف دکھانے لگا۔"

گنجے کے لمبے لمبے بال اُگ آئے جو دیکھنے والوں کو بہت اچھے لگتے، اس کی گائے نے بہت سے بچھڑے دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسل میں بہت برکت عطا کی اور دودھ اور گوشت کی فراوانی رہنے لگی۔ گنجے نے خوب کھایا اور عیش کیے۔ بہت سی جائداد خریدلی اور بے اندازہ مال جمع کر لیا۔

گاؤں والے اس کی رضامندی اور دلجوئی چاہنے، اُس کے پاس بیٹھنے کو بڑی سعادت جانتے۔ پہلے کی طرح اس کے گرد جمگھٹا رہنے لگا۔ اس سے اس میں دوبارہ تکبر اور غرور پیدا ہو گیا۔ وہ اپنی مصیبت کو بھول گیا۔ فرشتے سے کیے ہوئے وعدے کو بھلا بیٹھا۔ برے دوستوں کے ساتھ مل کر دوبارہ عصیان کاری میں مُبتلا ہو گیا۔ بھلائی اور نیکی کے کاموں میں حصہ نہ لیتا اور نہ غریب اور محتاج کو کچھ دیتا۔

لیکن اندھے کو دوبارہ بینائی ملی تو سجدہ شکر بجا لایا پھر سے ندامت اور توبہ کا اظہار کیا اور پکا ارادہ کیا کہ ساری زندگی اللہ کی عبادت کرے گا، اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے گا حاجت مند اور بے نوا کی مدد کرے گا، گمراہ کی رہنمائی کرے گا۔ تکبر سے بچے گا، حرام اور بُری باتوں کی طرف دھیان بھی نہ دے گا۔

اُس کی بھیڑ نے خوب بچے دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسل میں بڑی برکت عطا کی۔ دُودھ، گوشت، پشم اور پنیر کی فراوانی رہنے لگی۔ اندھے نے خوب سیر ہو کر کھایا پیا۔ پشم سے بڑی دولت پیدا کی اور بڑے بڑے وسیع مکانوں اور نوکروں کا مالک بن گیا۔ گاؤں والے اس کے ارد گرد جمع رہنے لگے۔ لیکن وہ بُرے اور بدکار دوستوں سے بھاگتا۔ ان کی سُنی اَن سُنی ایک کر دیتا اور ان سے الگ تھلگ رہتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر میں لگا رہتا جس نے اس کو دوبارہ بینائی دے کر نئی زندگی عطا کی تھی۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانا چاہا اُسی فرشتہ کو ایک فقیر کی صورت میں بھیجا جس کے کپڑے پھٹے پرانے، پاؤں ننگے تھے اور بال پریشان تھے۔

فرشتہ اس حال میں کوڑھی کے پاس پہنچا اور کہا: "میں غریب محتاج ہوں، بڑی دُور سے آیا ہوں، زادِ راہ ختم ہو گیا ہے کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ اللہ اور تمہارے سوا میرا کوئی نہیں ہے اُسی ذات کے نام پر جس نے تمہیں حسن و جمال اور مال و جاہ عطا کیا ہے۔ ایک اونٹ تم سے مانگتا ہوں جس سے سفر میں کام لے سکوں۔"

جواب ملا: "بہت سے حق دار ہیں، تمہیں کہاں سے دوں۔"

فرشتے نے کہا: "شاید میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ کیا تم جذامی اور فقیر نہ تھے۔ لوگ تم سے نفرت کر کے بھاگتے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔"

جواب ملا: "یہ مال تو میں نے اپنے باپ دادا سے وراثت میں پایا ہے۔ میں تو کبھی بھی جذامی نہ تھا۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پچھلی حالت کی طرف لوٹا دے۔"

پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی حالت اور صورت میں گیا اور وہی کہا جو جذامی سے کہا تھا۔ یہاں بھی اس کو وہی جواب ملا اور فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹ بکتا ہے تو تیری حالت پہلی سی ہو جائے۔"

پھر وہ اندھے کے پاس گیا اور کہا: "میں محتاج اور مسافر ہوں۔ لمبا سفر کر کے آیا ہوں۔ زادِ راہ ختم ہو چکا ہے، کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ اللہ کے بعد تمہارے سوا اور کوئی وسیلہ نہیں۔ اُسی ذات کے نام پر جس نے تمہیں آنکھوں کا نور بخشا ہے۔ ایک بھیڑ مانگتا ہوں جس سے سفر میں فائدہ اُٹھا سکوں۔" جواب ملا: "میں تو اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ روشنی عطا کی، فقیر تھا اس نے غنی کر دیا جو لینا چاہتے ہو لے لو۔ اللہ کے نام پر کسی چیز سے انکار نہیں ہے۔" فرشتے نے کہا: اپنے مال کو رہنے دو ہم نے تو تمہیں آزمانا چاہا تھا، اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور تیرے ساتھیوں سے ناخوش ہے۔"

کوڑھی دوبارہ جذام میں مبتلا ہو گیا۔ گنجے کے بال گر گئے اور اُن کے مال و مویشی بھی جاتے رہے لیکن اندھے کی آنکھوں کی روشنی اور مال و متاع قائم رہا۔ ♦



حضرت اُمِ حمید ساعدیہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میری پسند خاطر یہ ہے کہ میں آپؐ کے ساتھ نماز ادا کیا کروں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

"میں نے سمجھ لیا۔ بس بات (مختصر) یہ ہے کہ تیری نماز تیرے گھر کی کوٹھڑی میں افضل ہے گھر کے دالان سے، اور دالان میں تیری نماز افضل ہے عام صحن کی نماز سے، اور عام صحن کی نماز بہتر ہے گھر کی مسجد کی نماز سے، اور گھر والی مسجد کی نماز تیرے لیے افضل ہے مسجد محلہ میں نماز پڑھنے سے۔" (مسند احمد)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے چند بلیغ جملے جو انہوں نے اپنے رسالہ "حجابِ شرعی" میں تحریر فرمائے ہیں، اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں کافی بصیرت افروز ہیں جو درج ذیل ہیں:-

خیال کرو کہ نماز اہم العبادات ہے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عام مساجد کی نماز سے ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا وہ دولت ہے جس کے مقابلہ میں کل دُنیا کی دولتیں ہیچ ہیں۔ عموماً مقتدی وہ لوگ جن سے بڑھ کر بجز انبیاءؑ کے کوئی پاکباز، مطہر اور مزکّی جماعت آسمان کے نیچے موجود نہیں ہوئی۔ اسلامی سوسائٹی ایسے رجال و نساء پر مشتمل ہے۔ جن کی عفت مآب زندگی اُمتِ محمدیہؐ کے لیے غضِ بصر و تحفظِ عصمت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بننے والی تھی۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر لمحہ تازہ وحی اور نئے نئے احکام و اصلاحی قوانین سے مستفید ہونے کے لیے ہر مرد و عورت دربارِ نبوت میں حاضر ہوا کریں۔ عام فضا ایسی ہے کہ مسلمان ظاہر و باطن میں خدا سے اور غیر مسلم مسلمانوں سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ ایسی پاک فضا اور ایسے مقدس ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتینِ اسلام کو پیرس و لندن نہیں، میلوں اور تھیٹروں میں نہیں، باغوں اور پارکوں میں نہیں، سیر و تماشے کے لیے نہیں، بلکہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ میں اور خود اپنی اقتداء میں انقیاد اُمت کی جماعت میں نماز ادا کرنے کے لیے اس قدر مقیّد کیا اور ان کی نام نہاد آزادی یا یُوں کہو کہ ان کے جوہرِ شرافت اور گوہرِ عصمت کی حفاظت پر ایسے سخت پہرے بٹھلائے اور اختلاطِ رجال و نساء کو اتنی شدّت سے روکا کہ گویا عورتوں پر اس اجتماعی عبادت کا دائرہ بالکل ہی تنگ فرما دیا۔ آخر ان تمام احکام و ہدایت کی علّت کیا تھی؟ یہی نہ کہ تخم فتنہ کو اختلاطِ جنسین کی آبیاری سے نشو و نما کا موقع نہ ملے۔"

پس مساجد سے رُک جانے کے لیے تو ترغیبی کلمات ارشاد ہوئے لیکن مساجد کی حاضری کے لیے نہ امر ہے نہ ایماء نہ ترغیب ہے نہ تشویق۔ ہاں ایک اباحت اور اجازت محضہ ہے اور وہ بھی عدم ممانعت کے عنوان سے، اور وہ بھی رات کی تاریکیوں میں، اور پھر وہ بھی شوہروں کی اجازت پر محمول صحیح بخاری میں ارشادِ نبویؐ ہے:-

"جب عورتیں رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو۔"

ابوداؤد کی روایت میں اگر عدم منع کا لفظ بھی ہے کہ انہیں مت روکو تو اسی کے ساتھ گھر میں پڑھنے کی ترغیب

بھی ہے :-

ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں :-

"عورتوں کو مساجد میں جانے سے مت روکو، درآنحالیکہ ان کے لیے ان کے گھر ہی بہتر ہیں"۔

پھر ان دونوں روایتوں میں سے پہلی میں عورتوں کے لیے مکان صلوٰۃ کے ترتیب وار درجات قائم کئے ہیں۔ یعنی پہلے کوٹھڑی، پھر دالان، پھر صحن، پھر مسجد خانگی، پھر مسجد جامع، جس میں ہر پہلا درجہ اگلے سے زیادہ باستر و باحجاب اور قاطع اختلاط ہے۔ ہر پردہ دار درجہ جس میں پردہ شدید ہو، خفیف درجہ سے افضل قرار دیا گیا۔

اور دوسری روایت میں زمانِ صلوٰۃ کے متفاوت حالات ظاہر کئے گئے ہیں کہ ایک دن کی روشنی ہے اور ایک رات کی تاریکی اور ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی زیادہ باپردہ ہے۔ بہ نسبت دن کی ضو افشانی کے۔ اس لیے اجازت مسجد کو رات کے ساتھ مقیدّ فرمایا گیا۔ پھر اس مقیدّ اجازت کے ساتھ وہ جس میں نہ ترغیب ہے نہ ایماء اور نہ کوئی بشارت اور جو ہر وقت کے لیے نہیں بلکہ تاریکیٔ شب کے ساتھ مقیدّ ہے۔ جب عورت مسجد کا قصد کرتی ہے تو پھر اس پر کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں، ارشادِ نبویؐ ہے۔

"اُس رات میں عورت خوشبو نہ لگائے"

ایک موقع پر ارشاد ہے۔

"جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں مسجد میں نہ آئے"۔ بلکہ ابوداؤد میں اسی کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہے کہ میلی کچیلی اور غیر مرغوب حالات کے ساتھ نکلے کہ جس سے اجنبیوں کو اس کی طرف کوئی رغبت و التفات نہ ہو۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-

"مسجد جانے کے لیے عورتیں میلی کچیلی نکلیں (یعنی بناؤ سنگار کے ساتھ نہ جائیں)"۔ (ابوداؤد)

کیونکہ خوشبو اور وہ بھی عورت کی جنسی جذبات بھڑکانے میں خاص اثر رکھتی ہے، اسی لیے باہر نکلنے والی عورت کی خوشبو کو شریعت نے زنا کے حکم میں رکھا ہے، چنانچہ حدیث ابوموسیٰؓ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

"عورت نے جب خوشبو لگائی اور وہ کسی مجلس پر سے گزری تو وہ ایسی اور ایسی ہے، یعنی حکم میں زانیہ کے ہے"۔ (رواہ الترمذی)

یہی وجہ ہے کہ ایسی معطر عورت کی نماز اور حاضری مسجد کو جو حکماً زانیہ ہو غسل پر معلّق فرمایا ہے کہ گویا وہ زنا کر کے اہلِ جنابت میں شامل ہو گئی ہے اور غسلِ جنابت کے بغیر داخلہ مسجد کے قابل نہیں رہی۔

حدیث ابوہریرہؓ میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

"ایسی عورت کی نماز نہیں ہوگی، جو مسجد کے لیے خوشبو لگا کر نکلی، جب تک وہ غسلِ جنابت نہ کرے"۔

حالانکہ یہ خوشبو کسی بری نیت سے نہیں استعمال کی گئی بلکہ بتصریح حدیث احترام مسجد ہی کے لیے لگائی گئی تھی۔ لیکن شریعت کی نظر عورت کے حسنِ نیت اور عبادت کی طرف نہیں بلکہ اس سے پھیلنے والے فتنہ کی طرف ہے، جو اُسے اور اس پر مبتلا ہونے والوں کو رسوائی کے غاروں میں دھکیل دینے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ پس عورت کی عبادت تو زیادہ سے زیادہ منفعت ہے اور وہ بھی اسی کی ذات کے لیے اور اس کا باعثِ فتنہ ہونا مضرت ہے۔ نہ تنہا اس کے لیے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لیے اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت اور وہ بھی قومی مقدم ہے۔ جلبِ منفعت پر جب کہ وہ شخصی بھی ہو، اس لیے عورت پر بلا کسی اہتمام صفائی اور بلا خوشبو نکلنے کی پابندیاں فرمائی گئیں، اور اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ اس پر مزید پابندی یہ عائد کی گئی، کہ چلتے وقت اس کا کوئی عضو کھلا نہ رہ جائے۔ مثلاً سینہ یا پیٹ وغیرہ، اس لیے بدن کو ڈھانپ کر اور ڈوپٹہ سینہ پر ڈال کر نکلے کہ یہ خود چھپ جائے اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیوں کا آنچل مارلیں"۔

ارشادِ ربانی ہے :-

یہی نہیں اس کے ساتھ چال ڈھال اور زینت آرائی پر بھی قیود عائد کی گئیں کہ نازو انداز سے نہ نکلیں۔

چال کو دلآویز بنا ئیں، زینت کا لباس پہن کر
نہ نکلیں۔

ارشادِ نبوی ہے :-
"اپنی عورتوں کو لباسِ زینت اور ناز و انداز
کے ساتھ مساجد میں جانے سے روکو۔"

پھر بدن کی اور کپڑوں یا زیور کی وہ عمومی زینت جس کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ ہو، جس درجہ میں بھی ان کے اوپر باقی رہ جائے۔ اسے بھی چھپانے کا حکم دیا گیا کہ اسے لمبی چادروں سے ڈھانپ لیں۔

ارشادِ حق ہے :-
"لمبی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں۔"

ایک دوسرے موقع پر ان عام زینتوں کو مستور رکھتے ہوئے عدمِ اظہار کا تاکیدی حکم فرمایا گیا :-
"اپنا سنگار نہ کھولیں (یعنی تک نہ دکھائیں) اِلّا یہ
کہ بجز (بلا اظہار) خود اس میں سے کچھ ظاہر ہو
جائے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں")۔ (القرآن الحکیم)

پھر باجے کا زیور ایک باصورت زینت تھا۔ اس لیے اس کی صورت کو چھپا دینے کے بعد اس کی آواز تک کو بھی چھپانے کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی اگر زیور کسی کو نظر نہ پڑے جس سے فتنہ متحمل تھا تو ممکن ہے کہ زیور کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو، اور وہ فتنہ کا ذریعہ ثابت ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے :-
"اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا
مخفی زیور معلوم ہو جائے۔"

اور اس سارے انتظام کے باوجود بھی غیر اختیاری طور پر ستر میں کچھ کمی رہ جائے تو ایمان داروں کو ہدایت فرمائی کہ :-
"مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو،
تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

پھر اس ہر نوع کے تستر کے ساتھ جب عورت باہر قدم نکالتی ہے تو انہی قیودِ مذکورہ پر بس نہیں کی جاتی بلکہ اسے ارشاد ہوتا ہے کہ ایک طرف کو ہو کر راہ قطع کرے۔ کسی پر دُور سے نگاہ بھی نہ ڈالے کہ نگاہیں مختلف آثار ڈالتی ہیں۔ غمگین نگاہ ہے تو غم کا، مسرور نگاہ ہے تو سرور کا، مہر و وفا کی نگاہ ہے تو محبت کا، اور شہوانی نگاہ ہے تو شہوت کا اثر پڑتا ہے۔

فرمایا گیا :-
"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں
نیچی رکھیں۔"

اور حدیثِ نبویؐ میں نگاہ بازی کو زنا عین فرمایا گیا :-
"آنکھ کا زنا نگاہ بازی ہے۔"

اگر دُور کی نگاہ بازی ممکن تھی جس کی روک تھام غضِ بصر (نگاہ نیچی کرنے سے) کر دی گئی تو از خود کسی مرد کے قریب پہنچ جانے پر بول چال کا بھی احتمال تھا، اس لیے اس کا انتظام کر دیا گیا۔

ارشادِ نبویؐ ہے :-
"نہ عورت کے لیے سلام کرنا ہے اجنبی مردوں کو،
نہ اس پر جوابِ سلام ہے۔"

پھر اگر مجبوراً اثنائے راہ یا مسجد میں کسی سے بولنا پڑ جائے اور بحالتِ مجبوری آواز نکالنی ہی پڑے تو ہدایت ہے کہ شریلی اور نرم آواز سے نہ بولے، لہجہ میں ایسی نرمی اور نزاکت پیدا نہ کرے، جس سے بدنیتوں کو کچھ طمع پیدا ہو، اور کسی باہمی انس کی بنیاد پڑ جائے۔

"تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو
خیال لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے، اور
قاعدہ کے موافق بات کہو۔"

ہاں درشت آواز کے معنی چونکہ بدتہذیبی سے بولنے کے نہ تھے، اس لیے قول کے ساتھ معروف کی قید لگا کر اس کا دفعیہ بھی فرما دیا کہ لہجہ گو روکھا ہو مگر قول مہذب اور شائستہ ہو۔

اور پھر فرمایا گیا کہ عورتیں صرف انفادِ زینت یا بول چال ہی سے رک جانے پر قناعت نہ کریں بلکہ مردوں کے ساتھ کسی قسم کا اشتراکِ عمل بھی نہ کریں، نہ عاداتی امور میں، مثلاً جنازے کے ساتھ جانے سے عورت کو روکا گیا، حالانکہ جنائز کے اوقات سرد مہری اور غم و الم کے اوقات ہیں، جن میں ہیجانِ شہوت بعید ہے مگر مستقبل کے احتمالات و خطرات کا سدِ باب کرنے کے لیے ارشادِ نبویؐ ہے :-
"جنازہ کے بارہ میں عورت کا کوئی حصہ نہیں ہے۔"

"جنازہ کے ساتھ چلنے میں عورت کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔"

یا کسی کا جھگڑا چکانے کے لیے عورت حکم اور ثالث بن کر نہ کھڑی ہو۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

"عورت ثالث نہ بنے کہ عوام الناس کے جھگڑے چکاتی پھرے۔"

ادھر مردوں کو جب کہ وہ رہگذر پر اتفاقاً عورتوں کے ساتھ جمع ہو جائیں، ہدایت فرمائی گئی کہ عورتوں کے بیچ میں نہ چلیں کہ یہ حیاء سے بعید ہے، بلکہ الگ ہو کر چلیں۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

"حضورؐ نے منع فرمایا کہ مرد دو عورتوں کے درمیان ہو کر چلے۔"

پھر ان بیسیوں قیود و شرائط کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی یہ عورت جب مسجد پہنچ گئی تو خدا کے دربار میں بھی جب کہ قلوب تھوڑی دیر کے لیے مادی ظلمتوں سے ہٹ کر روحانیت میں مست ہو جاتے ہیں اور بظاہر شہوات کی طرف طبیعتوں کو کوئی التفات نہیں رہتا۔ عورت کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی، کہ جس صف میں چاہے کھڑی ہو جائے بلکہ سب سے پچھلی صفیں جو نوجوانوں ہی کے نہیں بلکہ نو عمر بچوں کے بھی پیچھے ہوں، عورتوں کی صفیں رکھی گئیں اور عورت کے لیے ان میں ہر پچھلی صف اگلی صف سے بہتر اور باخیر فرمائی گئی۔ حدیثِ نبویؐ میں ارشاد فرمایا گیا :۔

"نماز جماعت میں، مردوں کی بہترین صف صفِ اوّل ہے۔ اور بدترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور بد عورتوں کی بہترین صف سب سے پچھلی صف ہے اور بدترین صف سب سے اگلی صف ہے۔"

گویا وہ دو صفیں سب سے بُری صفیں قرار پائیں۔ جن میں عورتیں مردوں سے کچھ قریب ہو جاتی ہیں تا کہ اختلاط کو کسی جہت سے بھی راہ نہ ملے۔

پھر نماز میں مشغول رہتے ہوئے اگر امام کو سہو لاحق ہو تو اسے آگاہ کرنے کی ضرورت سے مردوں کو تو آواز یعنی تالی بجا دینا تجویز فرمایا گیا اور وہ بھی بتصریح فقہا ہتھیلی سے نہیں کہ اس میں سے زور کی آواز نکلتی ہے اور سب کو متوجہ کر لینے کی اُس میں ایک خاص شان ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کی صُورت مزامیر یعنی باجے گاجے میں شمار کی گئی ہے، بلکہ ہتھیلی کی پُشت سے کہ اس کی آواز نسبتاً پست بھی ہوتی ہے اور قدرتاً بھدّی بھی، جس میں باجے کی شان پیدا نہیں ہوتی۔

ارشادِ نبویؐ ہے :۔

"نماز میں امام کو غلطی پر مطلع کرنے کے لیے مردوں واسطے تسبیح پڑھ دینا ہے اور عورت کے لیے تالی بجا دینا دیگر بصورتِ تصفیق یعنی پُشت ہاتھ سے۔"

اور اس سارے انتظام پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نماز فجر کے بعد اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے جب تک کہ مستورات مسجد سے باہر نہ چلی جائیں۔

عورت کی امامت میں پردے کی نوعیت

یہ قیود صرف اس صورت میں ہیں جب کہ نماز کے لیے عورت مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو، لیکن اگر عورتیں خالص اپنی ہی جماعت قائم کریں، جس میں امام و مقتدی سب وہی ہوں، تب بھی فقہاء ملّت کی روایت و فراست نے جو احادیث نبویؐ کے اسی مذکورہ نظام ستر و پردہ سے ماخوذ ہے۔ بعض ایسی دقیق بے حجابیوں پر تنبیہ کرتے ہوئے رجن تک سطحی نگاہوں کی رسائی ممکن نہیں، اس زمانہ کی جماعت کے بارے میں پردہ داری کی ہدایتیں دی ہیں، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے

اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے کہ وہ تنہا اپنی خالص جماعت سے نماز پڑھیں، کیونکہ یہ خالص جماعت مکروہات کے ارتکاب سے خالی نہیں رہ سکتی۔

ایک تو یہ کہ ان کا امام مؤنث انہیں کی صف کے بیچ میں ہو سکتا ہے اور یہ امام کے لیے مکروہ ہے، کیونکہ امام کا حق آگے بڑھ کر کھڑا ہونے کا ہے۔ وسط اور صف میں کھڑا ہونا اس

کے لیے مکروہ ہے۔
جیسا کہ ننگوں کی جماعت میں ننگا امام مجبوری باوجود کراہت کے انہی کی صف کے وسط میں کھڑا کیا جاتا ہے دوسرے یہ کہ امام مؤنث کو آگے بڑھانے میں علاوہ ارتکاب کراہت کے اس کی بے حجابی اور بڑھ جاتی ہے۔"

پس اگر عورتوں کو جماعت کرنی ہی ہو، تو پھر مؤنث امام مقتدیوں کی صف ہی میں کھڑا ہو، یعنی کراہت کے ارتکاب کا مضائقہ نہیں، بے پردگی نہ ہونی چاہیئے۔ عبارت بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی خالص جماعت فقہاء دین کے نزدیک مکروہ اس لیے سمجھی گئی کہ اگر مؤنث امام کو سُنت کے مطابق صف سے آگے بڑھاتے ہیں تو امام بے حجاب ہو جاتا ہے، اور اگر حجاب کی خاطر صف ہی کے وسط میں کھڑا کرتے ہیں تو سنت امامت کے ترک کی کراہت پیدا ہوتی ہے گویا دونوں صورتوں میں جماعت نساء کراہت سے خالی نہیں رہتی، لیکن پھر بھی اگر اس جماعت کی اجازت دی گئی تو اس مکروہ تحریمی کو تو گوارا کر لیا گیا کہ مؤنث امام اندرون صف کھڑا ہو کر توسط امام ستر و حجاب کا ذریعہ تھا، لیکن یہ گوارا نہیں کیا گیا کہ امام کو صف سے آگے نمایاں طریق پر کھڑا کر کے بے حجاب بنا دیا جائے۔

گو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں نے ہدایہ کے اس جزیہ سے اختلاف کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اختلاف کی کسی جانب سے بحث نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس قول کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے ستر و حجاب اور پردہ کے بارہ میں کس قدر دقتِ نظر کے ساتھ بعید احتمال بے حجابی کی بھی روک تھام کی تدابیر کی طرف اشارے فرمائے ہیں۔ مگر یہاں سوال یہ ہے کہ جب مقتدی اور امام سب عورتیں ہی ہیں اور سب کی سب حجاب اور لباس میں مستور بھی ہیں، پھر فرض کر لو کہ وہاں کوئی مرد بھی موجود نہیں تو یہ بے حجابی کیسی ؟ اور وہ بھی صرف امام کی کیوں؟ پس وجہ بے حجابی کیا ہے ؟ اور بعد ثبوت وجہ امام اور مقتدیوں کے حکم میں یہ تفریق کیا ہے ؟

جوابی سلسلہ میں غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے واللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اعلم کہ اگر ایک مرغوب شئی بہت ہی ہم نوع مرغوبات میں ملا جلا کر بلا امتیاز سامنے لائی جائے تو اس شئے واحد کی طرف رغبت شدید نہیں رہتی، بلکہ سب میں منتشر ہو کر تمام مرغوبات پر بٹ جاتی ہے، لیکن اگر شئے مرغوب کو نمایاں طریق پر کسی امتیازی مقام پر لا کھڑا کیا جائے تو ساری رغبتیں اسی شئے واحد کی طرف سمٹ آتی ہیں اور ان میں پھیلاؤ اور انتشار نہیں رہتا، جس سے رغبت کا تعلق حقیقی طور پر افراد سے نہیں رہتا، بلکہ نوع سے ہو جاتا ہے، کیونکہ افراداً ہر ہر فرد کی طرف پُوری توجہ منعطف نہیں رہتی بلکہ تمام افراد پر منقسم ہو کر ہیئت اجتماعی پر پڑ جاتی ہے۔ ہاں اگر ان ہی مرغوبات کا کوئی ایک فرد ان میں سے ہٹا کر امتیاز کے ساتھ الگ پیش کیا جائے کہ نظریں سب سے ہٹ کر صرف اس پر پڑنے لگیں تو اب بلا شُبہ ساری رغبتیں سمٹ کر اسی فرد پر آ پڑیں گی اور میلان میں ہیجان رونما ہو جائے گا مثلاً اگر دس بیس عورتوں کا ملا جُلا غول سامنے آ جائے تو چونکہ مجمُوعہ پر نظر پڑنے کے سبب ایک کی طرف کا میلان دوسری کے میلان میں مزاحمت کرے گا، اس لیے رغبت کا سارا زور کسی فردِ واحد پر نہ رہے گا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی کے ساتھ خلوت ہو جائے یا کم از کم خلوۃ نظر میسّر آ جائے تو ضرور ہے کہ اب اسی ایک پر توجہات کا دائرہ سمٹ آنے کی وجہ سے شخصی کشش شروع ہو گی، اور جذبات کے بے قابو ہو جانے کا خطرہ قریب تر آ جائے گا۔ اسی لیے شریعت نے جماعت نساء سے زیادہ منفرد اجنبیہ سے خلوۃ، اس کے ساتھ سفر، بات چیت، چہل قدمی اور مواجہتہ و مخاطبت، شدّت کے ساتھ ممنوع قرار دی ہے اور اس خصوصی میلان کو دِل سے دُور رکھنے کا انسان کو مکلّف بنایا ہے۔ ہاں نوعی کشش یعنی جنس عورت کی طرف رغبت دُور کر دینے پر نہ انسان قادر ہے، نہ اسے اس کی تکلیف دی گئی ہے اور نہ یہ اس کے لیے مضر ہے۔ پس عورتوں کی جماعت سامنے آنے پر محض جنسی کشش ہے جو مضر نہیں اور فرد واحد کے سامنے آنے سے شخصی کشش بڑھتی ہے جو مضر ہے۔ اس حسی اور قدرتی قانون کو سامنے لانے سے ایک فقہی و روایتی نظریہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیئت مجموعی خود ایک حجاب ہے۔

جو ہیئت و میلان کو منتشر رکھ کر زور پکڑنے سے باز رکھتا ہے اور کسی ایک فرد پر نگاہیں جم جانے میں حائل ہو جاتا ہے اور ہیئت انفرادیہ بذاتہ ایک بے حجابی ہے جو اپنی جاذبیت اور کشش سے خواہ مخواہ نظروں کو ہر طرف سے ہٹا کر ایک فرد منفرد کی طرف سمیٹ لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ نگاہوں کے لیے کسی ہیئت کا از خود دعوت و صلائے عام بن جانا اور انہیں اپنی طرف کھینچ لینے کی قابلیت پیدا کر لینا ہی بے حجابی کی حقیقت ہے، کشش نظر کا وقوع ہو جانا اس حقیقت سے الگ ایک جداگانہ چیز ہے۔ اس نظریہ کے ماتحت دانایانِ دین اور فقہا ملت زور کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے یہی کہا ہے کہ اگر دس بیس عورتیں جماعت کی نیت سے ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ان کا مؤنث امام بھی انہیں میں ملا جلا اندرونِ صف کھڑا ہو تو ان کی یہ ہیئت اجتماعی نظر والے کو اپنے اوپر لے کر انفراداً ہر ہر فرد سے ہٹا دے گی۔ اور گویا اس طرح ہر فرد اس ہیئتِ اجتماعی کے حجاب میں مستور ہو کر خصوصی کشش و توجہ کا مرکز نہ بن سکے گا۔ لیکن اگر اس جماعت میں مؤنث امام صف سے آگے ممتاز جگہ پر ہو جس سے اس کی حرکات و سکنات بھی ممتاز ہوں۔ آواز بھی حلقہ سے الگ تمیز کے ساتھ آ رہی ہو، اور اس کا مجموعی جثہ و بدن بھی پورے تشخص کے ساتھ الگ دکھائی دے رہا ہو، اور مختلف ہیئتوں سے نمایاں ہو رہا ہو، کھڑے ہونے کی حالت میں قد و قامت کا نقشہ پیش کر رہا ہو، جھک کر پشت کی ہیئت کذائی دکھلا رہا ہو، بیٹھنے کی حالت میں ٹانگوں اور رانوں کی ہیئت نمایاں کر رہا ہو، اور سجدہ کی حالت میں اس کی ہیئت معکوس کو واضح کر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ شخصی کشش اور خصوصی میلان کا پورا سامان ہے، اور کم از کم انثیٰ کے حق میں امن و سلامتی کھو دینے کے لیے کافی ہے۔ نظر بریں پہلی صورت میں جب کہ اجتماعی ہیئت نے ہر ہر فرد کے لیے جس میں امام بھی داخل ہے، حجاب کا کام دیا۔ اس لیے وہ جماعت کو سنتِ امامتہ سے محروم رہ گئی، مگر پھر بھی جماعت کی نوعیت کے مناسب ہونے کے سبب اجازتِ جماعت اور اس کراہت سے چشم پوشی کا فتوے حاصل کر سکی اور دوسری صورت میں جب کہ صف سے الگ امام کی اس ممتاز اور انفرادی ہیئت نے بے حجابی کی وضع پیدا کر دی، اس لیے گو سنتِ امامت ادا ہو جائے مگر ہیئت ستر و حجاب کی وضع تباہ ہو جانے کے سبب یہ جماعت ممانعت و کراہیت کے فتوٰی سے نہ بچ سکی۔

بہر حال جب کہ مؤنث امام کا صف سے آگے نمایاں ہو کر ہیئت انفراقی پیدا کرنا بذاتہ ایک وضع بے حجابی تھا۔ اور وسط صف میں رہ کر ہیئتِ اجتماع میں مستور رہنا بذاتہ وضع ستر و حجاب تھی۔ اس لیے کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر اس حجاب و بے حجابی کا مدار نہ رہا، بلکہ خود اصل وضع اور نفس ہیئت پر ہو گیا۔ پس اگر وسطِ صف میں مستور شدہ امام پر اتفاقاً کسی اجنبی کی نگاہ پڑ بھی جائے تو اس عارضی اور اتفاقی بے حجابی کا اصلی حجاب کے ہوتے ہوئے اعتبار نہ ہوگا۔ پس زیر بحث حجاب و بے حجابی کا معیار نگاہ بازی اور بے نگاہی نہیں، بلکہ مخصوص افعال کی ذاتی ہیئت طبعی اور وضع قطع ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کی نگاہ میں جس طرح فعلی بے حجابی ایک امر منکر ہے۔ اس سے بڑھ کر ذاتی اور وضعی بے حجابی امر منکر ہے بلکہ فعلی بے حجابیوں کا منشا ہی ذاتی بے حجابی ہے، ورنہ ذاتی ہیئتیں اگر ستر و حجاب کی ہوں تو بے حجابی کے افعال کا ظہور ہی ختم ہو جائے۔

عورت کی انفرادی نماز میں پردہ کی وضع

یہی وجہ ہے کہ عورت کی انفرادی نماز کے لیے بھی جہاں مرد تو مرد عورتوں کا بھی پتہ نہ ہو افعالِ صلوٰۃ کی اوضاع ایسی تجاویز فرمائی گئی ہیں جن میں قدرتی طور پہ عورت کے اعضا ایک دوسرے میں منضم ہو کر سکڑ جائیں اور بدن کشادہ اور پھیلا ہوا نہ رہے، جس سے ہر ہر عضو محل نگاہ بازی ہونے سے بچ سکے اور اس طرح ستر و حجاب کی قدرتی ہیئت قائم ہو کر عورت کا مجموعۂ بدن بے حجاب نہ ہونے پائے۔ سجدے میں سینہ اور پیٹ کو رانوں سے ملا دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدن کے پھیلاؤ اور تفاصل میں سینہ لٹک کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ قعدے میں سرین پر بیٹھ کر پیروں کو ایک طرف نکال دینے کا حکم ہوا تاکہ پیروں پر بیٹھ کر رانیں ابھری

ہوئی اور اوپر کا دھڑ بلند نہ دکھائی دے، قیام میں ہاتھ سینے پر باندھنا بتلایا گیا کہ سینہ کا ابھار نمایاں ہو کر بے حجاب نہ ہو جائے۔ پس جس طرح مردانہ افعال صلوٰۃ کی ذاتی ہیئتیں اعضا کے اکٹھا کر لینے اور سکیڑ لینے پر مشتمل ہیں۔ خواہ کوئی دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو، پس جیسے مردوں کی حد تک دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار کشادگی نہیں، ایسے ہی عورتوں کے بارہ میں نہ دیکھنے اور دکھلانے کا فعل مدار انقباض و تداخل نہیں جس طرح وہاں مردانہ نوعیت اور جسم کی ساخت خود انہی کشادہ ہیئتوں کی مستدعی ہے کہ جن میں بذاتہٖ کوئی ستر و حجاب نہیں، اسی طرح یہاں زنانہ نوعیت و پیکر کی ساخت ہی ایسی اوضاع کی مقتضی ہے جن میں بذاتہٖ ستر و حجاب کا دخل ہو، اور پردہ داری کی روح ان میں سرایت کئے ہوئے ہو۔ پس حقیقی حجاب و بے حجابی اور ان کی اوضاع ہیں دیکھنے نہ دیکھنے پر حکم کا مدار نہیں۔

مسئلہ حجاب اور مسئلہ ستر

اس مسئلہ حجاب صلوٰۃ کو اور زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے مسئلہ ستر صلوٰۃ پر غور کرو، جس میں مرد و عورت کا ایک ہی حکم ہے۔ سب جانتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کے لیے ستر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اگر عورت غلیظ (اعضاء تناسل وغیرہ) کا ربع (چوتھا) حصہ کھل جائے تو نماز پر فساد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ستر کھل جانے کے وقت کوئی بھی دیکھنے والا موجود نہ ہو، پس یہاں ستر کی فرضیت کسی کی نگاہ پڑنے نہ پڑنے کے معیار سے نہیں، بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ ان اعضاء نہانی کی فطری وضع ہی ستر و حجاب کو چاہتی ہے، اسی لیے فساد و صلوٰۃ کا حکم ان اعضاء کے کھل جانے پر ہے، دیکھے جانے پر نہیں کہ اصل بے حجابی کھل جانا ہی ہے نہ کہ دیکھنا۔ دیکھا جانا ایک جداگانہ فعل ہے جو بے حجابی کا جزو نہیں، بلکہ ایک خارجی چیز ہے جس کا اس پر مرتب ہونا اصل کے لحاظ سے ضروری نہیں۔ پس اس عورتِ غلیظ کی مانند عورتوں کی عام حرکات و سکنات بھی عورت ہیں۔ جن کا طبعی تقاضا وہی ذاتی حجاب ہے جس کا مدار کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے پر نہیں۔ عورت کو عورت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کے معنی چھپے رہنے کی چیز کے ہیں۔ پس عورت کا لفظ خود ستر کا مقتضی ہے اور پردہ گویا لفظ عورت سے خود بخود مترشح اور منشرح ہو رہا ہے، کیونکہ عورت کے معنی مجسّم پردہ اور ستر کے ہیں۔

بہر حال جب کہ عورت اپنی ذات سے ایک مستور و محجوب شئے تھی جیسا کہ صریح حدیث نبویؐ اس بارہ میں گزر چکی ہے اور اس لیے اس کی انفرادی نماز تک میں ستر و حجاب کی ہیئتوں کو تجویز کیا گیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی اجتماعی نماز میں جب کہ وہ صف سے آگے ایک امتیازی منظر اور محلِ کشف پر ہو حجابی ہیئتوں سے قطع نظر کر لی جاتی۔ اس لیے شریعت نے یہاں بھی ستر و حجاب کی ہی وضع تجویز فرمائی۔ کہ مؤنث امام سنت امامت ترک کر کے اپنی مقتدیات کی صف میں انہی کی برابر کھڑا ہوتا کہ اس میں انفراد کی شان نہ آئے جو بذاتہٖ ایک زبردست بے حجابی ہے ورنہ پوری جماعت مکروہ کی۔

ہاں! اب یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ اس قاعدے کے مطابق تو عورت کو تنہا نماز پڑھنا بھی مکروہ ہونا چاہیئے، کیونکہ انفراد کی شان وہاں تو بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس سوال کا جواب تو اجمالی طور پر ہماری سابقہ تقریر سے نکل سکتا ہے، مگر نزاکتِ مقام کا سبب مستقلاً بھی اس کی قدرے تفصیل ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تنہائی اپنی ذات سے سامان ترغیب ہے ہی نہیں کہ اسے بے حجابی کہہ کر تنہا عورت کی نماز پر کراہت کا فتویٰ دیا جائے۔ اگر کسی کریہہ المنظر عورت کے ساتھ تنہائی میسّر آ جائے تو یہ تنہائی جذبات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ یا اگر کسی بڑھیا کے ساتھ خلوت مہیا ہو جائے تو طبیعت میں میلان و رغبت کے آثار نمایاں نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر خوش منظر یا بد منظر ہی سہی مگر جوان یا یہ بھی نہ ہو تو کسی بڑی اور معزز نسبت کی عورت جیسے شہزادی یا امارت و حکومت کی علمبردار وغیرہ تنہا مل جائے تو بلا شبہ عامۃً جذبات کے قابو سے نکل جانے کا خطرہ قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ان صورتوں میں کشش کے ظاہری و باطنی اسباب موجود ہیں۔ خوش منظری اور جوانی جمال ہے اور اعزازی نسبت کمال ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بذاتہٖ انفراد و تنہائی رغبتوں کو ابھارنے میں کوئی اثر نہیں رکھتی۔ جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی جمال یا کمال

نہ پایا جائے۔ پس اصل باعثِ رغبت و کشش جمال و کمال نکلتا ہے نہ کہ انفراد و تنہائی، ہاں پھر یہی جمال و کمال اگر کسی شانِ امتیاز کے ساتھ ظاہر ہو یعنی یہ عورت یا اپنے جمال میں یکتا ثابت ہو یا کمال میں فوقیت رکھتی ہو تو پھر رغبت و کشش اور بھی شدت کے ساتھ ابھر جانی چاہئے۔ کیونکہ یکتائی اور شانِ امتیازی کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک چیز دوسری چیزوں کے مقابلے میں فوقیت رکھتی ہو، اور اس کی نسبت سے وہ شان رکھتی ہو جو ان دوسری چیزوں میں نہیں، چونکہ اس مقابلہ سے کمال و جمال کی گہرائیاں اور باریکیاں اور بھی زیادہ کھل جاتی ہیں۔ اس لیے اس کی جذب و کشش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس یہ یکتائی اور شانِ امتیازی نفس و جمال و کمال سے بھی بڑھ کر مرکزِ شوق و توجہ نکلی اور اس وجہ سے نکلی کہ اس یکتائی میں وہی جمال و کمال اپنے انتہائی پیمانے پر ظاہر ہو جاتا ہے اور بس۔ ہمارے اس بیان سے انفراد کی دو قسمیں نکل آتی ہیں، ایک ذاتی انفراد، جس کے معنی تنہائی کے ہیں، دوسرا نسبتی انفراد جس کے معنی یکتائی کے ہیں۔ ذاتی انفراد کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ فلاں شخص تنہا ہے اور نسبتی انفراد کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص بہ نسبت دوسروں کے فائق اور ممتاز ہے۔

پہلے انفراد میں محض ایک شخص کی ذات نمایاں ہوتی ہے اور دوسری صورت میں ذات کے ساتھ صفاتِ کمال بھی عریاں ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ محض انسانی ذات یا شخص طبعاً قابلِ التفات نہیں جب تک کسی نہ کسی صفتِ کمال کے ساتھ ظاہر نہ ہو! اسی اصول کے مطابق اگر عورت تنہا نماز گذارے تو اصولاً وہ شدتِ توجہ کا مرکز اس لیے نہیں بن سکتی کہ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کی شخصیت اور ذات پائی جا رہی ہے اور محض عورت کی ذات گو نوعاً قابلِ توجہ ہو مگر شخصی حیثیت سے بلا جمال و کمال اور بلا خصوصیات قابلِ التفات نہیں۔ لیکن اگر امامت کے ساتھ مُصلّٰی پر آگے بڑھ کر نماز ادا کر رہی ہو تو ایک اس کی شخصیت اور ذات ہی نہیں بلکہ پوری جماعت کے مقابلہ میں امتیازی شان اور فوقیت بھی نمایاں ہو رہی ہے جس سے اس کی ذات اور صفاتِ کمال دونوں برہنہ اور بے حجاب بن جاتے ہیں کیونکہ کسی مرغوب کا جذب و کشش کے مقام و مرتبہ پر آ جانا ہی (خواہ وہاں کوئی نظرباز ہو یا نہ ہو) بے حجابی کی حقیقت ہے، چنانچہ نقابِ رُخ اُلٹ دینے کو بے حجابی کہتے ہیں کہ چہرہ میں محلِ نگاہ اور جذبۂ نظر کی صلاحیت پیدا ہو گئی اور مستور چہرہ کو اسی لیے با حجاب کہتے ہیں کہ اس میں جذبِ نگاہ کی صلاحیت نہیں۔ کوئی اسے دیکھے یا نہ دیکھے۔ مسئلہ زیرِ بحث بھی اسی محسوس اصول کی ایک دقیق مثال ہے (جس تک فقہاءِ ملت ہی کی نگاہیں پہنچ سکتی تھیں)، فرق ہے تو صرف یہ کہ عورت کا نقاب اُلٹ دیا جانا اس کی جمالی صفات کو بے حجاب بنا دیتا ہے اور اسے کسی امتیازی منصب پر لا کھڑا کر دیا جانا اس کی کمالی صفات کو بے حجاب کر دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں فتنہ ہی کی ہو سکتی ہیں نہ کہ امانت کی۔

اب مختصر الفاظ میں اس ساری تقریر کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ عورت کے حق میں نہ انفرادِ محض (تنہائی)، اپنی ذات سے باعثِ جذب و توجہ ہے اور نہ اجتماعِ محض باہیئت اجتماعی ہی اپنی ذات سے کسی شخصی توجہ کو جذب کرتی ہے۔ ہاں یہ نسبتی انفراد جس میں عورت یکتائی اور کامل امتیاز کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے۔ باعثِ صد کشش و التفات ہے۔ اس لیے نہ انفرادِ محض بے حجابی کہلایا جا سکتا ہے اور نہ اجتماعِ محض کو ہی وضع بے حجابی کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اس نسبتی انفراد کو بلا شبہ سب سے بڑی بے حجابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ پس انفرادِ محض عورت کی ذاتی خوبیوں کا پردہ ہے، مگر نسبتی انفراد ذاتی اور نسبتی دونوں قسم کی خوبیوں کی بے پردگی ہے۔ اس لیے نہ عورت کے تنہا نماز پڑھنے پر فتوائے کراہت عائد ہوگا نہ عورتوں کی اس جماعتی نماز پر زیادہ روک ٹوک ہوگی، جس میں مؤنث امام غیر امتیازی طریق پر صف میں ملا جُلا کھڑا ہو کہ یہ اجتماعِ محض سب کی شخصیتوں کے لیے حجاب ہے مگر اس جماعت پر کراہت کا فتوےٰ ضرور عائد ہوگا جس کا مؤنث امام ممتاز طریق پر صف سے آگے کھڑا ہو کہ اس نے اپنی ذات و اوصاف سب کو مقامِ بے حجابی پر پہنچا کر بڑی بے حجابی کا ثبوت دیا ہے۔ اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے اس موقع

پر محض کشف (بے حجابی) کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ زیادہ
کشف (بے حجابی) کا عنوان رکھا ہے۔

فللہ درہ۔ ہاں اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ قاعدۂ مذکورہ
کے مطابق جب انفراد محض (تنہائی) اپنی ذات سے باعثِ
جذب و کشش نہیں، باعثِ رغبت صرف جمال و کمال ہے
تو پھر شریعت نے ہر تنہا اجنبی عورت کے ساتھ خلوت
کیوں حرام فرما دی، یا تو سرے سے یہ خلوت حرام ہی نہ
ہوتی کہ بذاتہٖ تنہائی باعثِ رغبت ہی نہیں یا ہوتی تو
اس تفصیل کے ساتھ کہ اگر اجنبیہ با جمال و کمال ہے تو خلوت
حرام ورنہ جائز۔ گو اس سوال کے جواب کی ضرورت نہیں
کہ مذکورہ انفراد اجتماع (عورت کی تنہائی و شرکت) وہ فرض کی
گئی ہے جہاں مرد کا وجود ہو یا نہ ہو، اور جو کچھ بھی احکام
ذکر کیے گئے وہ اس انفراد و اجتماع کی ذاتی وضع پر دائر
تھے نہ کہ مردوں کے وہاں ہوتے نہ ہونے یا دیکھنے نہ
دیکھنے پر تاہم اس سوالی صورت کو مذکورہ قاعدہ کے خلاف
واقعی فرض کرکے جواب یہ ہے کہ:۔

بلاشبہ باعثِ رغبت و کشش جمال و کمال ہے، تنہائی
نہیں لیکن جمال و کمال کی انواع اور اس کے مراتب بے شمار
ہیں اور متفاوت ہیں۔ ادھر انسان کی رغبتیں اور پسندیں
مختلف ہیں۔ کتنوں ہی کے نزدیک ایک چیز حسین ہے
مگر دوسرے اسے قبیح اور کریہہ منظر دیکھتے ہیں، پھر کتنے
ہی ایک شے پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر دوسرے اس سے
نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لیے ہر شے میں
کسی نہ کسی اعتبار سے جہاں نفرت کا احتمال ہے وہیں رغبت
و میلان کا بھی احتمال ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہر شے کے
متعلق زید و عمرو کی رغبتوں اور نفرتوں اور پھر ان کے مناسب
حال جمال و کمال کی انواع کی تفصیلات کے بعد یہ بے شمار جزئی
احکام دیے جاتے کہ زید کو خلوت جائز، عمرو کو ناجائز جو
وضع قانونی کے خلاف تھے۔ شریعت نے اس مقام احتیاط میں
رغبت کا احتمال لے کر مطلقاً خلوتِ اجنبیہ کو حرام فرما دیا۔
کہ ہر اجنبیہ کسی نہ کسی کے اعتبار سے قابلِ رغبت ہو سکتی تھی کہ:۔

کل ساقطۃ لاقطۃ

"ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی گاہک ہوتا ہی ہے۔"

اور ظاہر ہے کہ قانون سازی اور کلی احکام میں بعید سے بعید
احتمال کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے۔ خواہ وہ بصورت
واقعات کبھی ظاہر ہو یا نہ ہو، بالخصوص جب کہ موقع احتیاط
کا بھی ہو، اور قدموں کے لغزش کھا جانے کی جگہ ہو۔

حاصل پھر وہی نکلا کہ خلوت میں جو بھی کسی اجنبیہ
کی طرف مائل ہوگا وہ محض خلوت کے سبب سے نہیں
بلکہ اسی اپنی پسند اور مناسب طبیعت جمال و کمال کے
سبب سے جس کو اس کی طبیعت جمال و کمال سمجھ رہی ہے
پس معیار رغبت و کشش پھر وہی جمال و کمال رہا، اور
ہمارے عرض کردہ قاعدہ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ واللہ الحمد۔

بہر حال ایک حد تک منقح ہو گیا کہ جس طرح عورت
کا اجتماع محض بے حجابی نہیں۔ اسی طرح انفراد محض یعنی ہر
خلوت اور ہر تنہائی بھی بے حجابی نہیں، ہاں جلوت میں
امتیازی شان کے ساتھ نمایاں ہونا (قطع نظر مردوں کی
موجودگی و عدم موجودگی کے) ضرور حجاب شکن بے حجابی
ہے جو موضوع نسائیت کے منافی ہے۔ اس تقریر پر
اب صرف یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ کیا پھر خارج صلوٰۃ
بھی ہر ایک مجمع نسواں میں کسی عورت کا امتیاز کے
ساتھ نمایاں ہونا وضع بے حجابی ہوگا؟ جس پر کراہت
کا فتوےٰ لگایا جائے گا؟

جواب یہ ہے کہ اگر جماعتِ صلوٰۃ کی مانند ان
مواقع میں بھی عورت کا کوئی ایسا ہی منصبی امتیاز قائم ہوتا
ہو جو اس کو کسی جماعت کا قائد یا امام دکھلا کر نسبتی انفرادِ
کے ساتھ نمایاں کرے تو بلاشبہ اس امتیاز پر بھی اسی
طرح کراہت و ممانعت کا فتوےٰ صادر کیا جائے گا
جس طرح امامت صلوٰۃ کے مذکورہ نمایاں امتیاز پر دیا
گیا ہے، جیسے کسی بھرے مجمع نسواں میں عورت کا خطیبانہ
شان سے کھڑے ہو کر خطبہ دینا یا شیخ بن کر حلقۂ مریدین
میں روحانی تصرفات کرنا یا شورائی جماعتوں کی صدارت
کرنا یا قاضی بن کر فصل خصومات کرنا، یا تختِ سلطنت
پر متمکن ہو کر رعایت خلق کرنا وغیرہ کہ ان میں سے
کوئی امامت صغریٰ ہے اور کوئی امامتِ کبریٰ، کوئی
امامتِ ظاہری ہے اور کوئی امامتِ باطنی، کوئی شبہ
نہیں کہ یہ ساری قیادتیں اس کو زبانِ زد خلائق کرکے بے حجاب
بنا دیں گی، اور یقیناً ایسی عورت آماجگاہ توجہات اور

محلِ خطرات ہو جاتے گی۔ ظاہر ہے کہ عورت کی مجُرّبانہ حالتِ طبعی اور فطری طور پر کسی طرح اِن منصبی امتیازات کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ رہا گھروں میں کسی عورت کا زیورات یا سامانِ آرائش میں دوسری عورتوں سے فائق ہونا کوئی منصبی امتیاز نہیں۔ یہ امتیاز تو اور اس کی نسوانیت کی تکمیل اور انوثیت کا مظہر ہے سو جو اثر اس کے عورت ہونے سے قلوب پر پڑ سکتا ہے وہی اس کی اس نسوانی آرائش سے پڑ سکتا ہے۔ اس امتیاز میں اس کی وہ ذاتی انفراد کی شان زائل نہیں ہوتی جس کا بدانتہ غیبہ مؤثر ہونا ابھی ظاہر کیا جا چکا ہے۔

غرض فقہاء دین کا یہ نقطہ بے غبار ہے کہ عورت کا امام بن کر صف سے آگے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے کہ اس میں مؤنث امام کے لیے بے حجابی اور زیادہ کشف پیدا ہو جاتی ہے۔

اور جب کہ فقہا کے نزدیک اس ہیئت بے حجابی سے بچانے کے لیے ایک دوسرے مکروہ تحریمی (امام کا وسطِ صف میں کھڑا ہونا) کو گوارا کیا جا سکتا ہے تو سمجھ لو کہ ان دانایانِ دین کے نزدیک خود عورت کی بے حجابی کیا درجہ رکھتی ہوگی؟ ظاہر ہے کہ مکروہ تحریمی سے اُوپر صریح حرام ہی کا مرتبہ ہے۔ اس لیے ہدایہ کے اس جزئیے سے حجاب کے بارہ میں فقہاء کے مسلک صاف پتہ چل جاتا ہے جو تصریح سے زیادہ ابلغ ہے۔

بہر حال عورت کی نماز کے کسی پہلو کو خواہ وہ انفراد کا ہو یا جماعت کا۔ حاضریٔ مساجد کا ہو یا گھروں میں نماز گزارنے کا۔ شریعت نے حجابِ نسواں کی رعایت سے خالی نہیں چھوڑا، اور کسی پہلو میں بھی گوارا نہیں کیا کہ زن و مرد کے واقعی، یا احتمالی اختلاط کی کوئی بھی شکل پیدا ہو، پھر حجاب کی رعایت عبادات حج و نماز کی طرح دوسری عبادات مثلاً اعتکاف میں بھی فرمائی گئی اور عورت کے لیے جائز نہیں رکھا گیا کہ وہ مساجد محلّہ میں اعتکاف کرے۔ حتیٰ کہ شریعت کی دقیقہ رس نظر نے صنفِ نازک کی ذاتی اور فطری محجُوبیت کو کھولتے ہوئے اسی پر بس نہیں کی کہ عورت کے حجاب کا دائرہ اس کی زندگی ہی تک محدود رہے بلکہ اس مُردہ عورت کو بھی ستر و حجاب میں چھپائے رکھنے کے احکام صادر کیے۔ جو نہ محلِ شہوت ہی رہتی ہے نہ محلِ جذب و کشش یعنی جس طرح زندہ مرد کی ستر پوشی سے کہیں بڑھ کر زنانہ لاش کی پوشش میں اہتمام دکھلایا ہے۔ مرد کے لیے اگر مسنون کفن کے تین کپڑے رکھے ہیں تو عورت کے لیے پانچ۔ مرد کے جنازہ پر اگر سب سے اوپر ایک لانبی چادر ڈال دینا کافی سمجھا ہے تو عورت کے جنازہ پر اس چادر کے ساتھ پردہ کا گہوارہ بھی ضروری قرار دیا ہے، جس سے لاش کے طول و عرض کی حیثیت نہ کھل سکے۔ مرد کو دفن کرتے وقت کسی آڑ پر پردہ کی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن عورت کی تدفین میں قبر پر پردہ کی ضرورت نہیں سمجھی، لیکن عورت کی تدفین میں قبر پر پردہ تاننا ضروری قرار دیا۔ مرد کو ہر یگانہ و بیگانہ قبر میں اُتار سکتا ہے۔ لیکن عورت کے لیے محرم کی قید لگا دی۔ مرد کی نماز جنازہ کے لیے امام کو میت کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہونا بتلایا گیا، لیکن عورت کے جنازہ پر سینہ سے کچھ ہٹ کر وسط میں آ جانے کی ہدایت دی گئی کہ سینہ کی وضع فطری محلِ کشش ہونے کی وجہ سے مردانہ نگاہ کے بالکل مقابل رہنے سے بچاؤ چاہتی ہے۔ اور گو اب گہوارہ مستور رہنے کی وجہ سے نگاہ دُور ہے مگر کے محاذات میں آ جانے کے سبب سے اب بھی قریب ہو سکتی ہے۔

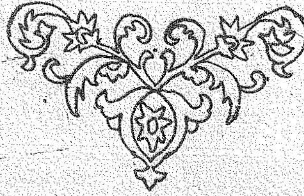
اور جب کہ عباداتِ حج، نماز، اعتکاف وغیرہ میں جو ایک بے خودی اور بے نفسی کا پاک مشغلہ ہے۔ اس درجہ عورت و مرد میں دُوری اور بُعد قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو خود اندازہ کر لو کہ معاشرت میں جو اپنی حقیقت و اثرات کے لحاظ سے ایک گونہ نفسانی مشغلہ ہے، اور نفسانیات کو اس میں بہت جلد حرکت ہو سکتی ہے۔ اس اختلاط کو کس طرح گوارا کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ عورت و مرد کی مخلوط تفریحوں اور سیر و تماشا کو تبرج جاہلیت کہہ کر روک دیا گیا، خواہ وہ جاہلیت اولیٰ کا تبرج ہو یا آج کی جاہلیت کا جو اس سے کہیں زیادہ مہلک ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

تمدنی قیود

اسی طرح شریعت نے عورت کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط اور بے حجابیوں کا مستقر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:۔ (باقی ۴۴ پر)

تبصرہ



سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

تصنیف : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
ناشر : مکتبہ رشیدیہ ۲۲، اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور
صفحات : ۳۵۲ ، سائز ۱۸×۲۲
جلد خوبصورت سنہری ڈائی دار، کتابت وطباعت اعلیٰ
قیمت رعایتی مع محصول ڈاک -/۱۸ روپے

یہ کتاب ڈھڈیاں ضلع سرگودھا کے ایک نوجوان کی مبارک ومسعود زندگی کا پُرکیف پُرانداز تذکرہ ہے ۔ وہ نوجوان جو بھرپور جوانی میں "وصول الی اللہ" کی منزل کی تلاش میں گھر سے نکلا اور مختلف مقامات سے ہوتا ہُوا رائے پور کی مشہور عالم خانقاہ میں جا پہنچا۔ رائے پور میں اس وقت حضرت قطب العصر فقیہہ یگانہ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ ارشد حضرت الشیخ مولانا شاہ عبدالرحیم قیام پذیر ہو کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فیض پہنچا رہے تھے اور عشق و محبت کی اس دنیا میں بہت آئے اور بقدر ہمت و ظرف حصّہ لے گئے۔ جو مقام و مرتبہ حضرت مولانا عبدالقادرؒ کو نصیب ہُوا۔ اس پہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

شیخ کی نظر شفقت ابتدا ہی میں آپ پر تھی، اور "صحابِ دل" اس تعلق خاطر کو دیکھ کر مستقبل کا نقشہ صاف طور پر محسوس کر رہے تھے۔ انہیں حضرت شاہ عبدالقادر کے متعلق صاف نظر آ رہا تھا کہ آج کا یہ نوجوان بلندیوں کی اس منزل پر پہنچے گا کہ زمانہ اس سے استفادہ کرے گا اور اُسے بلاشبہ "شیخ العلماء" ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔

چنانچہ یہی ہُوا حضرت شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کے سانحہ ارتحال کے بعد مسند شیخ کے وارث آپ قرار پائے اور اس وقت میں اسلامیان عالم کے مقتدی ومطاع حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اس "باہمت جوان" کے حالات کو سن کر اللہ کا شکر ادا کیا اور مرشد کے بعد تجدید بیعت کی خواہش کو بلاضرورت قرار دیا۔ کہ معاملہ درست تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے واضح اشارات موجود تھے جن کی بنیاد پر خدام آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں اس عظیم سلسلہ رشد و ہدایت کے آپ رہنما قرار پائے جس کی جلوہ نمایاں آج چار دانگ عالم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ تبصرہ نگار نے حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کو بارہا مرتبہ نہ صرف دیکھا بلکہ قریب تر ہو کر آپ کی مجلس پاک میں بیٹھنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ عمر کی کمی اور اس کوچہ سے نابلد ہونے کے سبب حضرت کی حقیقی عظمت کا اندازہ میرے لیے مشکل تھا لیکن برصغیر کی نامی گرامی شخصیتوں کا اس آفتاب رشد و ہدایت کے اردگرد دوزانو بیٹھ کر استفادہ کرنا اور شیخ کا کمال محبت وخلوص اور شفقت سے ہر ایک کو نوازنا تو ظاہر ہی تھا۔ اور اسی سے میرے دل میں آپ کی عظمت کا سکہ پیدا ہُوا۔

پھر طالب علمی ہی کے دور میں یہ روح فرسا خبر ملی کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور آپ کے حالات کی تحقیق و تجسس کا ایک شوق پیدا ہُوا۔ تھوڑے عرصہ بعد مولانا علی میاں کی یہ کتاب مطبوعہ انڈیا کسی دوست سے مستعار لے کر مطالعہ کی کہ دل میں آپ کی عظمت کا نقش گہرا ہو گیا اور بعض بعض ابواب کے

مطالعہ نے حالت دگرگوں کر دی۔

خواہش تھی کہ یہ کتاب یہاں بھی چھپے تاکہ نسل نو کو معلوم ہو سکے کہ جن اکابر کے سوز دروں کے صدقہ جہاں "اسلامیت" سلامت ہے وہ کون تھے اور کیا تھے؟

الحمدللہ! مکتبہ رشیدیہ لاہور کے ارباب ہمت نے روایتی خوش ذوقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتاب کو چھپوا دیا۔ علی میاں کا پُربہار قلم اور تذکرہ شیخ رائے پوری کا۔ سبحان اللہ! پھر حافظ عبدالرشید صاحب نے صوری و ظاہری طور پر جو حسن بکھیرا ہے اس سے دل باغ باغ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مصنف و ناشر کو جزائے خیر دے۔ اور حضرت اقدس کی باکمال زندگی سے ملت کو سبق حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔

یوں تو ہدیہ ۲۱ روپے ہے لیکن زیادہ سے زیادہ اشاعت کے جذبہ کے پیش نظر ۱۸ روپے میں کتاب دستیاب ہے۔ محصولڈاک بھی اسی میں شامل ہے۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام

تحریر: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
صفحات ۱۴۴ ـــ قیمت ساڑھے چار روپے
ناشر: ادارہ اسلامیات لاہور

سر سید احمد خان اور غلام احمد قادیانی جیسے لوگوں نے برصغیر کے ابتر حالات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، مسلمہ مسائل کو اپنی عقل و خرد کی سان پر کھینچ کر ان کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ الاماں! ان لوگوں کی پشت پر غیر ملکی حکومت کا دست جبر بھی موجود تھا اس لیے یہ لوگ زیادہ ہی "بہادر" بن گئے۔ بالخصوص قادیانی نے قصر اسلام کو جس طرح زیر و زبر کرنے کی مذموم کوشش کی وہ ایک خطرناک شیطانی کھیل تھا۔ لیکن خدا بھلا کرے علماء دیوبند کا کہ انہوں نے ہر فتنے کی طرح اس فتنہ کا بھی بروقت نوٹس لے کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق و عقیدت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

امام العصر کاشمیری قدس سرہ کے دور میں قادیانیت کا فتنہ عروج پر تھا۔ تو آپ نے خود بھی اور اپنے خدام و متعلقین کو بھی بالخصوص اس محاذ پر لگایا جنہوں نے اتنا بھرپور تعاقب کیا کہ قادیانیت ننگی ہو کر سامنے آگئی۔ خطرناک بیماری کے باوجود مقدمہ بہاولپور میں شاہ صاحب قبلہ کا کردار اپنی مثال آپ ہے۔

مجلس احرار اسلام نے اس محاذ پر جو کارہائے نمایاں سرانجام دئے اس کی پشت پر شاہ صاحب کا سوز دروں کام کر رہا تھا حتی کہ علامہ اقبال کی نکتہ آفرینیاں "انور شاہ" کی نگاہ فیض کا نتیجہ تھیں۔

مولانا بدر عالم میرٹھی مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے استاذ مکرم کی ہدایت و توجہ سے کامیاب علمی تعاقب کیا۔

زیر تبصرہ رسالہ مولانا محمد ادریس علیہ الرحمہ کے قلم سے ہے جن کی علمی حیثیت کا ایک زمانہ معترف ہے۔

کتاب پر علامہ کاشمیری اور علامہ عثمانی کی تقاریظ موجود ہیں اس کے بعد کسی مزید تعریف و تعارف کی ضرورت نہیں۔ بہرحال اس کتاب میں اس مسئلہ کے مالہ و ما علیہ پر مکمل بحث ملے گی جو آپ کو ہر دجال و ملحد کی فتنہ سامانی سے بچائے گی۔ ضرور پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں۔

حدیث رسولؐ کا قرآنی معیار

تحریر: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی
صفحات ۱۲۸ قیمت سوا چار روپے
ملنے کا پتہ: ادارہ اسلامیات لاہور

قرآن و حدیث کا باہمی ربط و تعلق ہر صاحب عقل پہ واضح ہے کہ ایک متن ہے تو دوسری شرح! لیکن بُرا ہو بے راہروی اور آزاد خیالی کا کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے اقوال رسول کو تختۂ مشق بنانا شروع کر دیا تاکہ "حدیث رسول" سے ملت کا تعلق ختم ہو کر رہ جائے اور پھر قرآن حکیم کو اپنی من مانی تاویلوں کا لباس پہنا کر الحادی کھیل کھیلا جا سکے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے ہر نوع کے فرعونوں کے لیے موسیٰ کا انتظام کیا اور اس طرح امت مسلمہ کا

علمی سرمایہ محفوظ رہا۔

قاری محمد طیب صاحب ہمارے قارئین کے لیے نئے نہیں۔ ان کے خطابات، تقریریں اور پیغامات خدام الدین میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے انہیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ایک قابل ترین مدرس اور لائق ترین مصنف کی حیثیت سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ سو سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابوں کے اس عبقری مصنف کے فاضلانہ قلم سے یہ رسالہ حال ہی میں ادارہ اسلامیات نے شائع کیا ہے جو حدیث اور اس کے متعلقہ مسائل نیز شبہات کے ازالہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ قاری صاحب کا مخصوص اور دلفریب مثبت اندازِ بیان قاری کے دل میں گھر کرتا چلا جاتا ہے اور کوئی تحریر ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔

اس بے راہروی کے دَور میں اس قسم کا صاف ستھرا لٹریچر وقت کی اشد ترین ضرورت ہے اور ادارہ اسلامیات کے مالکان ہلکا پھلکا دینی لٹریچر صاف ستھرے خوبصورت انداز میں شائع کر کے ملت پر احسان کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ رسالہ ہر ہاتھ میں پہنچے، بکثرت پڑھا جائے اور دلوں کو دولتِ ایمان سے مزید روشن کیا جائے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تصنیف:۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر:۔ ادبستان پبلشرز زیر مسلم مسجد بیرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت:۔ چار روپیہ۔

فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہ قدس سرہ جیسی ہمہ گیر اور نابغہ شخصیات دُنیا میں کبھی کبھی آتی ہیں اور جب آتی ہیں تو پھر "مجدّدانہ عزائم" سے حالات کا رُخ بدل دیتی ہیں۔

شاہ صاحب کا دَور برِّ صغیر کا انتہائی پُر آشوب دَور تھا۔ مغلیہ خاندان کی عظمت کا نشان اورنگ زیب مرحوم تھے۔ وُہ دُنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور اب ان کے جانشینوں میں "مولوی مدن" والی بات نہ تھی۔ بقالانِ یورپ اپنے خُونی پنجوں سے یہاں حملہ آور ہو رہے تھے اور ملکی لوگ آپس میں دست و گریباں۔ آپ کی نگہِ بصیرت نے حالات کا رُخ پہچانا اور پھر قدرت نے آپ کو ملت کی رہنمائی کے محاذ پر کھڑا کر دیا۔ آپ نے ہمہ گیر انقلاب کا نعرہ بلند کیا اور ذہنی تیاری کی غرض سے اس دَور کی سرکاری زبان فارسی میں ایسا لٹریچر فراہم کیا جس سے بھٹکے ہوئے مسلمان جادہ حق کی طرف واپس آ سکیں۔

قرآن عزیز کا فارسی ترجمہ آپ کا شاہکار تھا جس کی آپ کو بے پناہ قیمت ادا کرنا پڑی۔ اس کے ساتھ پیغمبر اسلام اور آپ کے رفقائے گرامی کی سیرت و منقبت پر آپ نے قلم اٹھا کر قرنِ اول کی ان مثالی شخصیات کی عملی زندگی سے روشناس کرایا جو ہمارے لیے قابلِ تقلید تھیں اور جن کے نقوشِ پا پر چل کر عرب کے چرواہے اوجِ ثریا پر پہنچے تھے۔ سیرتِ نبوی کے سلسلہ میں آپ نے ایک مختصر عربی کتاب کو فارسی میں نقل فرمایا جس کا اُردُو ترجمہ عزیز ملک کے قلم سے سامنے ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کا فارسی ترجمہ کے لیے کسی کتاب کو منتخب کرنا ہی اس کی ثقاہت کی دلیل ہے اور پھر عزیز ملک نے جس طرح اُردُو ترجمہ کیا ہے وہ انہی کا حصّہ ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی جیسے صاحب طرز ادیب عزیز ملک کی زبان و بیان کے معترف تھے اور ایک علم دوست فوجی افسر مرحوم میجر عبدالعزیز کو آپ کے اسلوب میں مولانا ابوالکلامؒ جیسی شیرینی اور ظفر علی خاں مرحوم جیسا دل کش انداز نظر آتا ہے اور واقعی قاری ترجمہ پڑھتے ہوئے ایک خاص کیفیت محسوس کرتا ہے۔ کتاب ہر چند کہ مختصر ہے لیکن سیرت کی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ آپ نے سیرتِ نبوی کو بیان کیا ہے جو بالخصوص نسلِ نَو کے لیے بڑی کار آمد چیز ہے۔ اگر چھوٹی عمر میں بچوں کو یہ رسالہ سبقاً سبقاً پڑھا دیا جائے تو ابتدا میں ہی ان کے ذہن پر ذاتِ نبویؐ کے نُورانی نقوش مرتسم ہو جائیں گے۔

لاہور کے قدیم ناشر رفیق ملک مرحوم کے جواں ہمت صاحبزادے نے اپنے ادارہ سے اس کتاب کو بڑے خوب صُورت انداز سے شائع کر کے ملت پر احسان

کیا ہے

پیارے نبی کی پیاری زبان

مولانا عبدالرحمٰن طاہر سورتی کسی تعارف کے محتاج نہیں، بالخصوص عربی زبان کی تدریس و ترویج کے اعتبار سے وہ ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

موصوف نے عربی زبان سکھانے کے لیے اسباق کی شکل میں ایک کورس ترتیب دیا جس سے لا تعداد شائقین نے عربی زبان میں دستگاہ حاصل کی۔

آپ نے اس سلسلہ کو عام پھیلانے کے لیے "بذریعہ خط و کتابت" کا طریق و انداز بھی اپنایا جو بہت مقبول ہوا اور ملک کے اطراف و اکناف کے لوگوں نے اس ذریعہ سے یہ کورس پڑھا اور کامیابی حاصل کی۔

ہمارے ملک کے مشہور صاحب ذوق و علم دوست جناب حافظ نذر احمد صاحب نے موصوف سے اس کورس کے متفرق اسباق حاصل کئے اور پھر انہیں ترتیب و تہذیب کے بعد ایک مجموعہ کی صورت میں شائع کر دیا۔

حافظ صاحب جو "مدارس عربیہ" کا جائزہ اور "تفسیر ماجدی" کا اشاریہ مرتب کر کے اپنا ایک مقام متعین کر چکے ہیں نے جو مزید محنت کی، اس سے اس کورس کو چار چاند لگ گئے۔

یہ کورس ۵۵، اسباق پر مشتمل ہے۔ جس پر پانچ ماہ گھر بیٹھے بڑی آسانی اور سہولت سے عبور حاصل کیا جا سکتا ہے اور مزید ہمت کر کے اس سے بھی کم مدت میں پورا کیا جا سکتا ہے۔

ان اسباق میں ضروری قواعد، نئے الفاظ اور مشقیں دی گئی ہیں۔ نیز آخر میں تمام مشقوں کے حل، پوری کتاب کی فرہنگ (کتاب لغت کے طور پر حروف تہجی کے اعتبار سے جو آئندہ بھی انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہے)، شامل کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انتہائی مفید ضمیمے اور چارٹ بھی دیے گئے ہیں جن سے اسباق کے حل میں بہت زیادہ سہولت ہو جائے گی۔

بالکل ابتدا میں "طلبا کے لیے ہدایات" کے عنوان سے ایسی باتیں درج کر دی گئی ہیں جو اسباق کے حل میں انتہائی مدد و معاون ثابت ہوں گی۔ نیز امتحان کا طریق کار اور حصول سند کا طریقہ معلوم ہو جائے گا۔

کتاب میں مجوزہ امتحانی پرچے بھی شامل ہیں جن میں سے ایک ایک پرچہ ترتیب کے ساتھ ہر گیارہ اسباق کے ساتھ مکمل کر کے ادارہ کو بھیجنا ہوگا۔ ادارہ اسے دیکھ کر اور نمبر لگا کر واپس کر دے گا اور ۵۵۔ اسباق پورے ہونے پر پانچواں اور چھٹا دونوں پرچے حل کر کے ارسال کرنا ہوں گے۔ کامیابی کی صورت میں سند مل جائے گی۔

زبان عربی کلام اللہ اور رسول اللہ کی زبان ہے اہل جنت کی زبان ہوگی۔ آج دنیا کا عظیم ترین حصہ اس زبان کو اظہار کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ہم پاکستانی مسلمان اس معاملہ میں بہت پیچھے ہیں۔ اور اگر چند آدمی کچھ نہ کچھ شدبد رکھتے بھی ہیں تو اس کے جدید اسلوب سے وہ بھی واقف نہیں لیکن اس کورس میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

بہ حیثیت مسلمان اس زبان کا سیکھنا ایک ملی فرض ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض ذمہ دار قومی رہنما اکثر اوقات یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ملک کی سرکاری زبان عربی قرار دی جائے۔

بہر حال یہ تو حکومتوں کی باتیں ہیں اپنے طور پر اس طرف توجہ از بس ضروری ہے۔ خاص طور پر قرآن و سنت کے شائقین اور عرب ممالک میں حصول رزق کے لیے جانے والے دوستوں کے لیے یہ کتاب عظیم تحفہ ہے۔

کورس کی قیمت بیس روپے ہے اور سند وغیرہ کی فیس دس روپے۔ اس طرح تیس روپے میں آپ ایک بڑی کمی پوری کر سکتے ہیں۔

عربی خط و کتابت سکول $\frac{29}{18}$ محمد نگر علامہ اقبال روڈ سے رابطہ قائم کریں۔

سلاسل طیبہ مع عملیات مدنی

تحریر:۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ

ناشر:- ادارۂ اسلامیات لاہور۔

صفحات ۹۶، سائز درمیانہ، قیمت درج نہیں۔

شیخ مدنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے قابلِ فخر فرزند عظیم محدث، سکالر، قومی و ملی رہنما اور عظیم المرتبت شیخ سلوک و معرفت تھے۔ قدرت نے ان کی تعلیم و تربیت کے بہترین انتظامات فرمائے۔ روحانی تربیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ نے رُخ قطب العصر گنگوہی کی طرف موڑ دیا۔ پھر خاک گنگوہ سے آپ نے جو فیض حاصل کیا۔ اس کی شہادت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم نے "تذکرۃ الرشید" میں لکھی ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح آپ اس دربار گہر بار سے نوازے گئے وہ آپ ہی کا حصہ تھا اور جب والد محترم نے ہجرت کی اور آپ بھی عارضی طور پر ساتھ تشریف لے گئے تو مکہ معظمہ میں قدوسیوں کے قافلہ کے سالار شیخ الہند والحجاز امام طریقت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے شفقت و محبت کا وہ سلوک کیا کہ باید و شاید۔

اور جب آزادیٔ وطن کے لیے "مالٹا" تشریف لے گئے تو دُوسرے رفقاء نے بالعموم اور آپ نے بالخصوص شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن رحمتہ اللہ علیہ کے دریائے معرفت سے خوب خوب جام لنڈھائے اور بالکل ابتدا میں والد گرامی کی وساطت سے حضرت الشیخ مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی کی گود نصیب ہوئی۔

اِس نظامِ تربیت نے آپ کو کندن بنا دیا۔

اور پھر دُنیا نے جو اعتراف کیا تو اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت رائے پوری قدس سرہ کی شہادت موجود ہے کہ جہاں دُنیا بھر کے اقطاب و ابدال کے سر تھے وہاں شیخ مدنیؒ کے پاؤں اور شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کی حُسنِ عقیدت مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ شیخ مکرّم نے "سلاسل طیبہ" کے نام سے جو رسالہ لکھا تو قدرت کی فیاضیوں کو ذکر کرنے کے بعد سلاسل اربعہ کے شجرے ذکر (آپ سب میں مجاز تھے) نقل فرما دیے۔ اس کے علاوہ حاجی امداد اللہ قدس سرہ کا ارشاد فرمودہ شجرہ (بزبان اُردُو منظوم)، حضرت نانوتوی کا ارشاد فرمودہ شجرہ (بزبان فارسی منظوم)، اور قطب گنگوہی کا ارشاد فرمودہ مختصر شجرہ شامل فرما دیا، ساتھ ہی ساتھ اعمال متفرقہ۔ حضرت حاجی صاحب کے رسالہ "ضیاء القلوب" سے ضروری نصیحتیں نقل فرما دیں۔ اس طرح یہ رسالہ سلوک کے طالب علموں کے لیے ایک قیمتی دستاویز بن گیا۔

ادارہ اسلامیات کے ارباب حل و عقد نے انڈیا کے نسخہ کا عکس چھاپ دیا ہے جو بڑا حسین ہے اور آخر میں چند صفحات کتابت کروا کے انہیں شیخ کے عملیات کا ذکر کر دیا ہے تاکہ نفع دوچند ہو جائے۔ یہ رسالہ مُبارکہ پہلے بھی متعدد مرتبہ چھپا۔ اب عرصہ سے مل نہیں رہا۔ ان حضرات نے ہمت کر کے یہ کمی پوری کر دی اللہ جزائے خیر دے۔

(علوی)

بقیہ : پردہ

عن عائشۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی الرجال و النساء عن دخول الحمامات ثم رخص للرجال ان یدخلوا بالمیازر

عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرما دیا تھا۔ پھر صرف مردوں کو اس شرط سے اجازت دے دی کہ لنگی کے ساتھ یعنی ستر چھپا کر داخل ہوں۔ (ترمذی و ابوداؤد)

کیا آج کے ہوٹل حماموں سے کچھ کم ہیں؟ جن میں عورتوں کا خلوتوں میں لایا جانا ایک مستقل بیوپار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کیا کلب اور عام کمپنی پارکس کچھ ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں اختلاط کے اوقات کی مستقلاً تعیین ہوتی ہے۔ اور مردوں کے ساتھ ایسے اختلاط عمل میں آتے ہیں۔ کیا آجکل کے گرلز اسکول ان حماموں سے کم ہیں؟ جن میں لڑکیاں اپنے مربیوں کی حفاظت سے الگ کر کے اجنبیوں کے رحم و کرم پر گھروں سے باہر بھیج دی جاتی ہیں اور پھر کیا کیا حوادث ظہور پذیر نہیں ہوتے اور کیا یہ سب کچھ اسی تبرج جاہلیت کا عکسی رُخ نہیں ہے، جس کی ممانعت و تقبیح پر قرآن کریم نے اپنا پُورا زور صرف کیا تھا؟

دارالعلوم مدنیہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

مشہور دینی درسگاہ ہے جو ۱۹۵۸ء میں قائم کی گئی۔ اس وقت مدرسہ میں حفظ و ناظرہ قرآن مجید درس نظامی اور السنہ الشرقیہ کی تعلیم کا خاطرخواہ انتظام ہے۔ اعلیٰ درجوں کی کتابوں کے لیے حضرت مولانا قاضی محمد اسلم صاحب جیسے یگانہ روزگار مدرس موجود ہیں۔

درجہ علیا کے لیے کچھ طلبہ کی گنجائش ابھی باقی ہے اس لیے ذہین اور محنتی طلبہ رجوع فرما سکتے ہیں۔ مدرسہ کی روزافزوں ترقی کے پیش نظر تعمیراتی کام میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے اس لیے احباب سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے۔

محمد فیروز مہتمم دارالعلوم مدنیہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

تعارف و داخلہ

مدرسہ مدینۃ العلوم قواں جنڈانوالہ عرصہ ۱۴ سال سے علاقہ بھر میں دینی تدریسی اصلاحی تبلیغی خدمات سرانجام دے رہا ہے مدرسہ میں حفظ و ناظرہ درس نظامی کا خاطرخواہ انتظام ہے۔ مدرسہ میں دو اساتذہ زیر سایہ خوشگوار ماحول میں قسمت والے طلباء و طالبات قرآن کریم و حدیث شریف کی نور بھری کرنوں سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ داخلہ جاری ہے۔ مسافر طلباء کے قیام و طعام کتب و لباس کا مدرسہ کفیل ہے۔

اپیل مخیر حضرات زکوٰۃ خیرات عشر چرمہائے قربانی سے مدرسہ کی اعانت فرمائیں۔ مدرسہ میں تعمیر کا کام شروع ہے نیز مدرسہ وسط شہر میں واقع ہے صاف ستھرے ۷ کمرے کتب خانہ بہترین ماحول، محنتی و قابل اساتذہ اس گلزار فروزچمن کے امتیازی نشان ہیں۔ حضرت مولانا حافظ الحدیث والقرآن محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ، مولانا خان محمد صاحب مدظلہ کندیاں، مولانا مفتی اعظم مفتی محمود صاحب مدظلہ اس مدرسہ میں تشریف لا کر اس کی ترقی کے لیے دعائیں فرما چکے ہیں۔ آنے والے طلباء اس پتہ پر خط بھیج کر یا خود حاضر ہو کر پتہ کریں۔

زیر نگرانی: حضرت مولانا محمد جمیل اجمل صدر مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم قواں جنڈانوالہ تحصیل بھکر ضلع میانوالی فون نمبر ۴

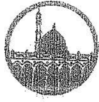
ضرورت رشتہ

دو کشمیری لڑکوں کے لیے رشتے درکار ہیں۔ کوائف اس پتہ سے معلوم کریں۔

۱۲۶۔ ولایت آباد کالونی ملتان —— فون نمبر ۳۲۶۳۰

دعائے مغفرت

- پروفیسر خالد حسین شعبہ کیمسٹری گورنمنٹ کالج لاہور کے والد بزرگوار اور میرے برادر نسبتی چوہدری محمد حسین صاحب ریٹائرڈ ہیڈ کلرک کالج ہذا انتقال فرما گئے۔ قارئین سے دعا مغفرت کی درخواست ہے۔ (چوہدری محمد رفیع شیرانوالہ گیٹ لاہور)
- میرے بھائی کی خالہ ساس امت اللہ بیگم قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحومہ بڑی نیک، پابند صوم و صلوٰۃ زاہدہ عابدہ خاتون تھیں قارئین کرام سے مرحومہ کے لئے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ (میاں عبدالحمید کاتب ہفت روزہ خدام الدین)



شہرِ نبیؐ کے نام

مولانا عابد الرحمٰن صدیقی

مدینہ منورہ کے جتنے نام ہیں کسی اور شہر کے اتنے نام نہیں اور ظاہر ہے کہ کثرتِ اسماء شرفِ مسمّیٰ پر دال ہوا کرتی ہے تو اللہ رب العزت نے جیسا کہ مدینہ منورہ کو اور چیزوں میں سبقت اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح اس کے ناموں کی کثرت میں بھی اور شہروں پر مدینہ منورہ کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔

علماء کرام نے مدینہ منورہ کے اسماء ضبط کرنے میں خصوصیت کے ساتھ اہتمام فرمایا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس کے تمام اسماء بالکمل بیان کر دیئے جائیں۔

ان حضرات میں شیخ شیرازی کا نام قابلِ ذکر ہے کہ انہیں اس بات میں یدِ طولیٰ حاصل ہے باقی بعد والے حضرات نے بھی حتی الوسع تمام ناموں کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ شیخ مرتضیٰ حسین زبیدی نے شرح احیاء میں مدینہ منورہ کے چوراسی نام گنائے ہیں۔ اور صاحب وفاء الوفا نے نوے سے زائد اسماء مدینہ منورہ کا شمار کیا ہے جن میں سے راقم بھی حتی الوسع اسماء مدینہ منورہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہے۔

ابنِ حجر مکی لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ہزار نام ہیں۔ جن میں سے امام نووی نے مشہور ہونے کی بنا پر اپنی مناسک میں صرف پانچ نام ذکر کئے ہیں۔ مدینہ، طابہ، طیبہ، دار، یثرب

اور ابنِ ابی شیبہ نے عبد العزیز عمران کے واسطے سے روایت نقل کی ہے کہ مدینہ منورہ کے دس نام ہیں جن میں سے صرف آٹھ نام ذکر کئے اور اس کے بعد دوسری روایت عبد اللہ بن جعفر سے نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کا نام دار اور ایمان رکھا ہے تو دونوں روایتوں کو ملا کر دس کی تعداد پوری ہو گی جن کا ذکر حسبِ ترتیب آجائے گا۔

ابنِ زبالہ نے عبد العزیز بن محمد دراوردی سے نقل کیا ہے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ توراۃ میں مدینہ منورہ کے چالیس نام مذکور ہیں۔ اب بالتفصیل میں مدینہ منورہ کے ناموں کا ترتیب وار ذکر کرتا ہوں۔

یَثْرِبُ ۔ اس میں علماء کرام کے تین قول ہیں یا تو یہ اس حصہ کا نام ہے جس جانب میں مدینہ منورہ ہے ابو عبیدہ اسی کے قائل ہیں اور حضرت ابنِ عباس اور علامہ زمخشری فرماتے ہیں یہ مدینۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے اور امام محمد بن الحسن فرماتے ہیں کہ سرزمین مدینہ میں یہ ایک مخصوص جگہ کا نام ہے اور یثرب نامی ان کی اولاد میں سے اس جگہ آکر آباد ہو گیا۔

اور یثرب اسی کو بولا جاتا ہے جیسا کہ غزوہ احزاب
کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا اھل یثرب
ابوغسان بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ
میں ایک بازار تھا جسے یثرب بولا جاتا تھا اسی واسطے
مدینہ اس نام کے ساتھ مشہور ہو گیا اور یثرب کو مدینہ
پر اطلاق کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ
میں یہ نام آیا ہے باقی ابن زبالہ وغیرہ نے نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت
نقل کی ہے اور تاریخ بخاری میں ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ
یثرب کہے تو اسے دس مرتبہ مدینہ کہنا چاہیے۔
اور ابویعلیٰ اور امام احمد نے روایت نقل کی ہے
کہ جو شخص مدینہ کو یثرب کہے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار
کرے یہ طابہ ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تین
مرتبہ استغفار کرے اسی واسطے عیسیٰ بن دینار نے کہا ہے
کہ جو مدینہ کو یثرب کہتا ہے تو اس کی ایک خطا لکھی
جاتی ہے باقی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا اَھلَ
یَثرِبَ جو فرمایا ہے یہ منافقین کے قول کو نقل کیا ہے اور
اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یثرب کے معنی افساد
کے ہیں اس واسطے آپ نے اس نام کو پسند نہیں فرمایا
یا کنارکار رکھا ہوا ہے اس واسطے آپ نے اس کی ممانعت
فرمائی۔

(۲) اَرضُ اللہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم
تکن ارض اللہ واسعۃ مقاتل اور ثعلبی فرماتے ہیں کہ
ارض اللہ سے اس جگہ مراد مدینہ منورہ ہے اور مقصود عظمت
مدینہ منورہ کا بیان کرنا ہے۔
(۳) ارض الہجرۃ جیسا کہ روایت میں پہلے ذکر کر چکا
کہ مدینہ منورہ ارضِ ہجرت اور قبۃ الاسلام ہے۔

(۴) اکالۃ البلدان کیونکہ مدینہ منورہ کو تمام
شہروں پر فوقیت اور غلبہ ہے اور مدینہ کے فضائل تمام
اقطار کے فضائل پر غالب ہیں اور مدینہ ہی سے تمام مقامات
پر غلبہ حاصل کیا گیا اور غنیمتیں لوٹی گئیں تو گویا کہ مدینہ
کے سامنے تمام بلاد و اقطار کالعدم ہو گئے۔
(۵) اکالۃ القریٰ جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے
کہ مجھے ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم کیا گیا جو تمام
بستیوں کو کھائے۔
(۶) ایمان جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کی تعریف
کرتے ہوئے مدینہ منورہ کو فرمایا الدار الایمان اور
ابن زبالہ نے عثمان بن عبدالرحمان اور عبداللہ بن جعفر
سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو دار اور ایمان
اس لئے فرمایا گیا کہ یہ ایمان کا مرجع اور مظہر ہے غرضیکہ
اُمت کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ ایمان اور حیاء
کہ یہ دونوں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں
جیسا کہ فضائل مدینہ میں روایات ذکر کروں گا۔
(۷) بارہ (۸) بَرَّۃ کیونکہ مدینہ منورہ کی بھلائیاں
خصوصاً مدینہ والوں پر عموماً تمام عالم پر بکثرت ہیں اس
واسطے یہ دونوں ناموں کے ساتھ موسوم ہوا۔
(۹) بحرۃ (۱۰) بُحیرۃ (۱۱) بَحِیرۃ۔ ان تینوں ناموں
کا اس وجہ سے اطلاق ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کشادہ
زمین میں واقع ہے اور تینوں کے معنی کشادگی کے ہیں
اور صحیح روایت میں ایک واقعہ کے اندر حضرت سعد
نے مدینہ کو بُحیرہ کہا ہے اور ابن شیبہ میں بحیرۃ مروی ہے
اور عیاض مشارق میں فرماتے ہیں کہ بحرۃ مدینۃ الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔
(۱۲) بلاط کیونکہ اس کا مدینہ منورہ میں کثرت سے

استعمال پایا جاتا ہے اس واسطے مدینہ کو اس نام کے
ساتھ موسوم کر دیا گیا۔

(۱۳) بلد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا
الْبَلَدِ۔ اس سے مراد مدینہ منورہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
اس شہر کی قسم کھاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کے ساتھ شرافت و بزرگی
عطا فرمائی

(۱۴) بیت الرسول۔ اللہ تعالیٰ فرماتا کما اَخْرَجَكَ
رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ۔ مفسرین فرماتے ہیں اس آیت
میں بیت سے مراد مدینہ منورہ ہے۔

(۱۵) نندو (۱۶) نندر (۱۷) یندر (۱۸) یندد۔
یہ چاروں نام بھی مدینہ منورہ کے ہیں یا تو یہ ند سے مشتق
ہیں جس کے معنی خوشبو کے ہیں یا ان کا اشتقاق ناد سے
ہے جس کے معنی رزق کے ہیں اور روایت میں مدینہ منورہ
کے لئے ان اسماء کا ذکر آیا ہے۔

(۱۹) جابرہ حدیث میں آیا ہے کہ مدینہ کے دس نام
ہیں ان میں اس کو بھی شمار کیا ہے اور یہ نام پڑنے کی وجہ
یہ ہے کہ مدینہ منورہ افلاس کو دور کرتا اور اسلام کی
جانب مائل کرتا ہے۔

(۲۰) جبار ابن ابی شیبہ نے یہ نام بھی ذکر کیا ہے

(۲۱) الجبارہ یہ نام بھی توراۃ سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲۲) جزیرۃ العرب۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں یہ
مدینہ کا نام ہے اور ابن عباس کی روایت میں ہے بیان
کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
مدینہ منورہ سے نکلا اور آپ نے مدینہ کی جانب متوجہ
ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے
بری کر دیا۔

(۲۳) جنۃ حصینۃ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم مدینہ منورہ کے بارے میں غزوہ احد کے وقت فرمایا
اَنَا فِیْ جُنَّةٍ حَصِیْنَةٍ۔

(۲۴) حبیبہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ
منورہ سے محبت تھی اس وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا
اور آپ نے مدینہ کی محبت پیدا ہونے کیلئے دعا بھی فرمائی۔
اللّٰھم حبب الینا المدینۃ۔ اس کے متعلق انشاء
اللہ آگے بیان آجائے گا۔

(۲۵) حرم جیسا کہ مسلم کی روایات میں ذکر کر چکا کہ آپ
نے فرمایا مدینہ حرم ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ
حرم آمن ہے۔

(۲۶) حرم رسول اللہ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا چنانچہ ابن زبالہ نے ایک روایت
نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا
حرم مکہ ہے اور میرا حرم مدینہ ہے۔

(۲۷) حسنۃ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لنبوئنھم فی الدنیا
حسنۃ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ مدینہ کا نام ہے
کیونکہ یہ حسی اور لغوی حسن کو مشتمل ہے۔

(۲۸) خیرۃ (۲۹) خیرۃ۔ دونوں کے معنی ایک ہی
ہیں یعنی بہت بھلائیوں والا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے
کہ مدینہ خیر ہے اور روایت میں ہے کہ مدینہ مکہ سے
بہتر ہے یہ سب روایات فضائل میں ذکر کر دی جائیں
گی۔

(۳۰) الدار۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین تبوؤا الدار
اس کے متعلق پہلے ذکر کر چکا۔

(۳۱) دار الابرار۔ (۳۲) دار المختار۔ کیونکہ یہ
حضور مصطفیٰ المختار کا مسکن ہے اور مہاجرین و انصار

کا گھر ہے۔

(۳۳) دارالایمان میں یہ روایت ذکر کر چکا کہ مدینہ قبۂ اسلام اور دار الایمان ہے کیونکہ ایمان کا مرجع اور پھیلنے کا مقام یہی ہے جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان آخر زمانہ میں مدینہ میں اس طرح آجائے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل میں گھس جاتا ہے۔

(۳۴) دارالسنۃ (۳۵) دار السلامۃ (۳۶) دار الفتح (۳۷) دار الہجرۃ۔ ان اسماء کے نام پڑنے کی وجہ ظاہر ہے اور صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمٰن کا قول منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تا آنکہ تم مدینہ منورہ پہنچ جاؤ اس لئے کہ وہ دار الہجرت اور دار السنۃ ہے اور کشمیہنی کی روایت میں دار السلامۃ کا بھی لفظ موجود ہے۔

(۳۸) ذات الحجر (۳۹) ذات الحرار (۴۰) ذات النخل ان تینوں ناموں کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے کیونکہ مدینہ منورہ حجرات اور چٹیل میدانوں اور کھجوروں کے درختوں کو مشتمل ہے اور ہجرت کی احادیث میں مدینہ کی صفت ذات نخل وخرۃ آئی ہے۔ شعراء اور کاہنوں نے بھی مدینہ کے لئے اپنے کلام میں ان اسماء کو بولا ہے۔

(۴۱) السلقۃ۔ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن امین الاقشہری نے تورات سے مدینہ منورہ کا یہ نام نقل کیا ہے۔ کیونکہ مدینہ منورہ میں پہاڑ اور چٹیل میدان ہیں اس واسطے اس نام کی ساتھ موسوم کیا گیا۔

(۴۲) سیدۃ البلدان۔ ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ یا طیبۃ یا سیدۃ البلدان۔

(۴۳) الشافیہ۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ کی مٹی ہر ایک بیماری کے لئے شفاء ہے۔

(۴۴) طابہ (۴۵) طیبہ (۴۶) طیّبہ تشدید کے ساتھ (۴۷) طائب (۴۸) طیطبہ۔ یہ سب اسماء معنی کے اعتبار سے ایک اور صیغوں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ یہ اسماء طیب سے مشتق ہیں جس کے معنی پاکیزگی اور طہارت کے ہیں کیونکہ مدینہ منورہ شرک سے پاک اور پاکیزہ ذات کا مسکن ہے یا یہ طیبہ یا طیب سے مشتق ہے جس کے معنی خوشبو کے ہیں۔ ابن البطال فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرے تو وہ مدینہ کی مٹی اور اس کی دیواروں سے پاکیزہ خوشبو پائے گا اور صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں اور ابن شیبہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کا نام طیبہ رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کے دس نام ہیں جن میں طیبہ اور طابہ کو بھی شمار کیا ہے اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم مدینہ منورہ کا نام کتاب اللہ یعنی توراۃ میں طیبہ اور طابہ ہے اور توراۃ سے مطیبہ بھی نقل کیا گیا ہے ابو عبداللہ عطار کا قول اسی چیز کی ترجمانی کرتا ہے۔

(۴۹) العاصمۃ۔ کیونکہ مدینہ منورہ نے مہاجرین کو مشرکین کی تکالیف سے محفوظ کر دیا۔

(۵۰) غلبہ یہ جاہلی نام ہے ابن زبالہ نے داؤد بن مسکین الانصاری کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ کو غلبہ کہا جاتا ہے۔

(۵۱) الفاضحۃ۔ اس کی بھی وجہ ظاہر ہے کہ مدینہ

منورہ میں بُرے آدمیوں کا گزارہ نہیں جیسا کہ میں اس کے متعلق عظمتِ مدینہ کے باب میں روایت ذکر کر چکا ہوں۔

(۵۲) اور توراۃ میں مدینہ منورہ کا نام قاصمۃ مذکور ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں ہر متکبر و سرکش کا سر نیچے ہو جاتا ہے اس واسطے اس نام کے ساتھ اسے موسوم کیا گیا۔

(۵۳) قبۃ الاسلام اس کے متعلق بھی روایت گزر چکی ہے۔

(۵۴) قریۃ الانصار (۵۵) قریۃ رسول اللہ۔ ابو ہلال عسکری بیان کرتے ہیں کہ عرب ہر ایک شہر کو خواہ چھوٹا ہو یا بڑا قریہ بولتے ہیں۔ اور اس نام پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ دجال کو مدینہ منورہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جائے گی اور وہ کہے گا کہ یہ اس شخص یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریہ ہے۔

(۵۶) قلب الایمان۔ ابن جوزی نے روایت میں مدینہ کا یہ نام بھی نقل کیا ہے۔

(۵۷) المومنہ ابن زبالہ نے روایت نقل کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اس مدینہ کی مٹی مومنہ ہے اور منقول ہے کہ توراۃ میں مدینہ کا نام مومنہ لکھا ہے کیونکہ یا تو مدینہ نے اللہ رب العزت کی حقیقت کی تصدیق کی ہے جیسا کہ کنکریوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستِ مبارک میں تسبیح پڑھی یا مجازاً مدینہ پر مومنہ کا اطلاق کر دیا کیونکہ مدینے والے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

(۵۸) المبارکۃ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے مدینہ منورہ میں برکت عطا فرمائی ہے جیسا کہ اس کے متعلق بکثرت روایات انشاء اللہ اپنے موقعہ پر ذکر کر دی جائیں گی۔

(۵۹) مبوا الحلال والحرام۔ (۶۰) جبین الحلال والحرام یہ دونوں نام بھی مدینہ منورہ کے بیان کئے گئے ہیں اور امام طبرانی اور ابن جوزی نے ان کا روایت میں ذکر کیا ہے۔

(۶۱) المجبورہ۔ روایت میں آتا ہے کہ مدینہ کے دس نام ہیں ان میں سے اسے بھی ذکر کیا ہے۔ (۶۲) المجبہ (۶۳) مجبنۃ (۶۴) مجبوبہ۔ ان اسماء کی وجہ پہلے ذکر کی جا چکی۔

(۶۵) المجبورہ۔ جبر سے مشتق ہے جس کے معنی سرور اور خوشی کے ہیں۔

(۶۶) محرمہ۔ اس کے متعلق روایات عظمتِ مدینہ کے باب میں گزر چکیں۔

(۶۷) محفوفہ۔ اس لئے کہ مدینہ منورہ برکات کے ساتھ گھرا ہوا ہے اور دجال اور طاعون سے محفوظ ہے۔ اور مدینہ منورہ کی ہر ایک گھاٹی پر فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مسلط ہیں۔

(۶۸) المحفوظہ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو دجال اور طاعون وغیرہ سے محفوظ رکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ محفوظ شہر چار ہیں ان میں مدینہ منورہ کو بھی ذکر کیا ہے۔

اور نقل جندی کی کتاب فضائل مدینہ میں روایت مذکور ہے کہ مدینہ منورہ فرشتوں کے ساتھ گھرا ہوا ہے کہ اس کی ہر ایک گلی کوچہ پر فرشتے پہرہ دے رہے ہیں

(۶۹) المختارہ۔ اس لئے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

مدینہ کو آپ ﷺ کی حیات و ممات میں منتخب فرما لیا۔

(۷۰) مدخل صدق۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وقل ربّ أدخلنی مدخل صدق الآیۃ۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مدخل صدق مدینہ منورہ ہے اور مخرج صدق مکہ مکرمہ اور سلطاناً نصیراً انصار ہیں

(۷۱) مدینہ۔ (۷۲) مدینۃ الرسول (۷۳) مرحومہ۔

تورات میں یہ نام بھی مدینہ منورہ کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ رحمۃ اللعالمین کا مسکن اور رحمتوں کے نزول کا گھر ہے۔

(۷۴) مرزوقہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو افضل المخلوقات کی سکونت کا شرف عطا فرمایا اور جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ مدینے سے کوئی شخص اس سے اعراض کر کے نہیں نکلتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے۔

(۷۵) مسجد اقصیٰ بھی مدینہ کا نام ذکر کیا گیا۔

(۷۶) اور تورات میں مدینہ کا نام سکینہ بھی آیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ مدینہ کے دس نام ہیں۔ ان اسماء میں مسکینہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۴)

اور حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مدینہ سے فرماتا ہے اے طیبہ اے طابہ اے مسکینہ خزانوں کو قبول مت کر میں تیری چھتوں کو تمام بستیوں کی چھتوں سے بلند کروں گا۔

(۷۷) اور مدینہ منورہ کا مسلمہ بھی نام ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں انقیاد اور اطاعت کے مادہ کو رکھا اور یہ قرآن کریم کے ذریعہ سے فتح ہوا۔

(۷۸) مضجع رسول اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ میری ہجرت کی جگہ اور روئے زمین میری سکونت کا مقام ہے۔

(۷۹) مقدسہ (۸۰) مقر یہ قرار سے مشتق ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ اللّٰھم اجعل لنا بہا قرارًا ٥

(۸۱) المکینہ۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے نزدیک مدینہ منورہ کا مقام بلند ہے اس واسطے اسے اس نام کے ساتھ موسوم کیا گیا۔

(۸۲) مہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ میں اس کے متعلق پہلے روایت ذکر کر چکا کہ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے۔

(۸۳) الموفیہ۔ (۸۴) ناجیہ یہ دونوں بھی مدینہ منورہ کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔

تلاش گمشدہ

سعید الرحمٰن بعمر ۱۱ سال مدرسہ تدریس القرآن جیا موسیٰ (لاہور) میں زیر تعلیم تھا۔ قریباً ایک ماہ سے لاپتہ ہے۔ اگر کسی دوست کو پتہ چلے تو شاہدرہ یا درس شاہدرہ لاہور کے خطیب مولانا محمد شفیع کو اطلاع دے کر شکریہ کا موقع بخشیں۔ (ادارہ)

کشکول اخلاق

کشکول اخلاق نمبر ۱

(۱) بندہ جب گناہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر چار احسان فرماتا ہے :- (۱) رزق بند نہیں کرتا۔ (۲) تندرستی موقوف نہیں کرتا۔ (۳) گناہ کو ظاہر نہیں کرتا۔ (۴) فوراً عذاب نہیں کرتا۔

(۲) چار چیزیں سخت ترین اعمال سے ہیں :- (۱) غصہ کے وقت معاف کر دینا۔ (۲) مفلسی کے وقت سخاوت کرنا۔ (۳) خلوت کے وقت پاک دامن رہنا۔ (۴) خوف یا طمع کے باوجود سچی بات کہنا۔

(۳) جلدی کرنا چھ کاموں میں سنتِ رسول ہے :- (۱) مہمان کو کھانا کھلانے میں۔ (۲) مُردے کو تجہیز و تکفین کرنے میں یعنی مُردے نہلانے، کفنانے اور دفنانے میں (۳) لڑکی کی شادی کرنے میں (۴) قرض ادا کرنے میں (۵) گناہ سے توبہ کرنے میں (۶) اذان سن کر مسجد کو جانے میں۔

(۴) چار چیزوں کو تھوڑا نہ سمجھ۔ (۱) قرض، (۲) مرض، (۳) دشمن (۴) آتش۔

(۵) پانچ چیزیں قساوتِ قلب کا نشان ہیں :-
(۱) توبہ کی اُمید پر گناہ کرنا، (۲) علم سیکھنا اور عمل نہ کرنا (۳) عمل کرنا اور اخلاص نہ ہونا (۴) رزق کھانا اور شکر نہ کرنا۔ (۵) دفن کرنا مُردوں کا اور عبرت نہ پکڑنا۔

(۶) تین چیزوں کی قلت ہی بہتر ہے :- (۱) قلت الطعام (کھانا) (۲) قلت المنام (سونا)، (۳) قلت الکلام (بولنا)

(۷) قلت کے تین درجے ہیں :- (۱) سہواً (۲) عمداً (۳) خطاءً

(۸) یقین کے تین درجے ہیں :- (۱) علم الیقین (۲) حق الیقین (۳) عین الیقین۔

(۹) بیٹے تین قسم کے ہوتے ہیں :- (۱) پُوت (۲) سپوت (۳) کپوت۔

(۱۰) نمازی چار قسم کے ہیں :- (۱) ٹھاٹھ کے (پنجگانہ)۔ (۲) اٹھ کے (جمعہ کے روز)۔ (۳) کھاٹ کے (نماز جنازہ میں مجبوراً کھڑے ہو گئے)۔ (۴) تین سو ساٹھ کے (عید کے دن)۔

کشکول اخلاق نمبر ۲

(۱۱) مظلوم کی آہ سے ڈرنا چاہئے۔ وہ آہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔

(۱۲) جو شخص یہ چاہے کہ میری عمر بڑھے تاکہ نیکیاں کماؤں، اور رزق کشادہ ہو، اور بری موت سے بچے تو اُسے چاہئے۔ کہ اللہ سے ڈرے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ صلہ رحمی سے خاندان، کنبے اور رشتہ داروں میں محبّت۔ مال کی زیادتی اور عمر دراز ہوتی ہے۔

(۱۳) تم یہ نہ کہا کرو کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی اور احسان کریں گے تو ہم بھی اُن کے ساتھ بھلائی اور احسان کریں گے۔ اور اگر وہ بے انصافی یا بُرائی کریں گے تو ہم بھی ظُلم و تعدّی کریں گے بلکہ تم یہ ذہن نشین کر لو بلکہ دستور العمل بنا لو کہ اگر لوگ ہم سے بھلائی کریں گے تو ہم بھی اس کا عوض نیکی ہی سے دیں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے اور تکلیف دیں گے تو ہم اس کے صلہ میں اُن کو بُرا بدلہ نہ دیں گے۔ ہمارے نبیؐ کو لوگ گالیاں دیتے تھے اور حضورؐ اُن کو دعائیں دیتے تھے۔

ارشاداتِ حضرت درخواستی

حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے شاہی مسجد خانپور میں رمضان شریف جمعہ کے خطبہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اس کو ہمارے مخلص دوست مولانا محمد یعقوب احسن آف ڈھڈیاں شریف نے قارئین خدام الدین کے لیے قلم بند کیا ہے۔ جو امسال حضرت کے یہاں دورۂ تفسیر میں شریک تھے۔ ہم حضرت کے جواہر پارے مرتب موصوف کے شکریہ سے پیشِ خدمت کر رہے ہیں۔ ——— (مدیر)

خطبۂ مسنونہ کے بعد ، الیوم یوم الجمعہ ، آج جمعہ کا دن ہے، جمعہ کا دن بھی برکت والا ، رمضان شریف کا مہینہ بھی برکت والا سب کہو الحمد للہ۔

ہم نے کبھی سوچا نہیں کہ شان والے نبی کی اُمت شان والی تھی آج اس پر زوال کیوں آ رہا ہے۔ ہمیں اللہ نے شان والا نبی عطا فرمایا۔ جس کا چہرہ بھی شان والا ، جس کی سیرت شان والی ، نگاہ شان والی ، ہاتھ شان والے ، قدم شان والے۔ جس کا مکہ اور مدینہ بھی شان والے۔ ہمارے نبی کو جو کتاب دی گئی وہ بھی شان والی۔ جس کا نام قرآن بھی ہے ، فرقان بھی ، بھی اور ذکرِ حکیم بھی صراطِ مستقیم بھی۔

جن لوگوں نے نبی کی سنت کو اپنا لیا۔ خدا کی کتاب پر عمل پیرا ہو گئے۔ انھوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو الٹ دیا۔ ان کا نام سُن کر لوگ کانپتے تھے۔ (یہ سب اسلام کی برکت تھی۔)

آج کیا بات ہے ، امت پہ زوال کیوں آ رہا ہے۔ کبھی خیال تک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیسی کیسی نعمتیں عطا کیں۔ اپنے جسم کی طرف دیکھو کہ اس کاریگر نے کیسا نقشہ بنایا۔ کیسا جسم بنایا۔ ساری دُنیا کے کاریگر اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہاتھ بھی نہیں بنا سکتے۔ ھُوَ الَّذِی یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ۔ آنکھوں کا کارخانہ علیحدہ ہے ، کان کا علیحدہ زبان کا علیحدہ۔

آج ذلیل ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ہم اس کاریگر کو بھلا بیٹھے۔ اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے پیچھے لگ گئے۔ شان والے نبی کے دین کو ترک کر دیا۔ لوگو! آج جگہ جگہ سے آواز آ رہی ہے ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

دیکھتے نہیں دنیا پہ کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے۔ سالوں کے منصوبے ذہن میں ہوتے ہیں لیکن جب اللہ کی طرف سے بلاوا آ جاتا ہے تو پھر کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ۔ آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے نبی شان والے۔ لیکن ہمارے نبی کا شان انوکھا اور نرالا۔ اور امت کا شان بھی پہلی تمام امتوں سے نرالا۔ یہ بھی خدا کی نعمت ہے کہ اس نے ہمیں شان والے نبی کی اُمت سے بنایا۔ کتاب بھی شان والی دی دین بھی شان والا —— اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام۔

شان والے نبی نے فرمایا جب تک مجھے تمام چیزوں سے محبوب نہیں بناؤ گے اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے۔ آج نبی کی محبت کی کمی ہو گئی۔ قوم رسوا ہو گئی۔ کوئی دکان کی محبت میں لگ گیا۔ کوئی بیوی بچوں کی محبت میں۔ کسی کو مال کا فکر ہے تو کسی کو کرسی کا خیال۔ خدا وہ وقت دکھائے کہ سارے دلوں میں شان والے نبی کی محبت تمام چیزوں سے زیادہ ہو جائے۔ کاش یہ لوگ وہ وقت یاد کریں جب نبی کی عزت و شان پر لوگ جان قربان کرتے تھے۔

آج کسی کا خون بہایا جا رہا ہے۔ کسی کو گالی دی جا رہی ہے، کسی کی پگڑی اچھالی جا رہی ہے ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اسلام کے دشمن ہنس رہے ہیں کہ یہ حال محمد کی امت کا ہے۔ یہ لوگ تو ہمدردی کا سبق دیتے تھے۔

غیروں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقوں کو اپنا لیا وہ اونچے ہو گئے۔ ہم نے ٹھکرا دیا ہم رسوا ہو رہے ہیں۔

اس لیے تو نبی نے فرمایا: لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ۔ اپنی خواہشات کو میرے حکم کے تابع کر دو۔ پھر مسلمان کہلا سکو گے۔ آج تم بھی ہاتھ اٹھا کر وعدہ کرو سب کچھ قربان کر دیں گے لیکن محمد کے قانون کو نہیں چھوڑیں گے۔ (تمام نے ہاتھ اٹھا کر وعدہ کیا اور نعرہ تکبیر کی صدا گونج اٹھی۔)

آج بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ رمضان شریف کا مہینہ ہے توبہ کرو گے، اللہ سے مدد مانگو گے۔ تو فرشتے آسمان پر تمہاری نصرت کا اعلان کریں گے۔ واللہ علیٰ کل شئ قدیر۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دنیا ساری طالب ہے خدا مطلوب ہے، دنیا ساری عابد ہے وہ معبود ہے۔ لا مطلوب الا اللہ، لا مقصود الا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا معبود الا اللہ۔ فرشتے بھی طالب، غوث قطب بھی طالب، نبی بھی طالب۔ سب کا مقصود و مطلوب معبود ایک اللہ۔ سب کہو لا مطلوب الا اللہ لا مقصود الا اللہ لا معبود الا اللہ (تمام لوگوں نے باآواز بلند کہنا شروع کر دیا) تم بھی ان کا ساتھ دو جن کے تعلق سے خدا ملتا ہے۔ ان کا تعلق چھوڑ دو جن کی رفاقت سے خدا چھوٹ جاتا ہے۔ دین والوں کا ساتھ دو حق والوں کی رفاقت اختیار کرو۔ عزت بھی بچے گی، مال بھی بچے گا، جان بھی بچے گی۔

آج امت پر زوال کی وجہ بھی یہی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر غیروں کے پیچھے لگ گئے ہو۔

اب بھی سنبھل جاؤ لالچ میں نہ آؤ، وہی خدا سب کچھ دے گا۔

جس نے پیدا کیا رزق کا ذمہ بھی خود اسی نے اٹھایا وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ سب کو رزق دینے والا اللہ، اولاد دینے والا اللہ۔ تم پرندوں کو نہیں دیکھتے صبح جاتے ہیں شام کو پیٹ بھر کر واپس آجاتے ہیں۔ ان کو کون کھلا رہا ہے۔ خدا پر بھروسہ کرو وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ

اس خدا کے گیت گاؤ جس نے تمہارے لیے جانوروں کو پیدا کیا

تمام جانوروں کو تمہارے تابع بنا دیا۔ لاٹھی کھاتے ہیں لیکن تمہاری نافرمانی نہیں کرتے۔ جب گدھے کو لاٹھی لگاتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ میں نے تیرا پانی گھاس کھایا ہے تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔ لیکن تجھے شرم نہیں آتی خدا کا سب کچھ کھاتا بھی ہے۔ اس کی زمین پر چلتا ہے اور نافرمانی کر رہا ہے۔

اونٹ کی طرف دیکھو۔ اَفَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ اگر اونٹ مستی میں آجائے تو سارے مل کر بھی اس کو قابو میں نہیں لا سکتے۔ لیکن تم دیکھتے ہو بچے بھی پکڑ کر جا رہے ہیں۔ تو ایسے مالک کا دروازہ چھوڑتے ہو جس کے انعامات تم شمار ہی نہیں کر سکتے۔

اب کھجوروں کا موسم ہے۔ آم کا موسم ختم ہو گیا ہے یُسْقٰی بِمَاءٍ وَّاحِدٍ۔ کچھ کھجوریں موٹی ہیں کچھ چھوٹی ہیں۔ کچھ میٹھی کچھ ترش۔ کچھ سرخ ہیں کچھ سفید — وَجَعَلْنَا فِیْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْهَا مِنَ الْعُیُوْنِ۔ پانی کے چشمے بھی جاری کر دیئے وَمَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ۔ تم نے صرف گٹھلی پھینک دی اگایا ہم نے ہے۔

کسی چیز کی محبت بھی دیوانہ بنا دیتی ہے۔ پرندہ کھجور کھاتا ہے مار کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس طرح نظام شریعت کے جو دیوانے ہوتے ہیں گولی کھاتے ہیں مگر پیچھے نہیں ہٹتے۔ تم نے نظارہ دیکھ ہی لیا۔ میں قلات میں گیا۔ بچے بچے کی زبان پر تھا۔ لاٹھی گولی کھائیں گے اسلامی آئین لائیں گے۔ خدا نے نقشہ ہی بدل دیا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آج بھی تم خدا کے بن جاؤ تو ایک ماہ کے اندر نظام شریعت آسکتا ہے۔

میں حیران ہوں کہ لوگ قرآنی نظام کو کس طرح ٹھکراتے ہیں۔ حالانکہ قرآن ہر جگہ تمہارے ساتھ موجود ہے۔ مسجد میں سکول میں، کالج میں، گھروں میں۔ جہاں جاؤ وہاں قرآن۔ تم نے قرآن کو چھوڑا لیکن قرآن تمہیں نہیں چھوڑتا۔ تمہارے گھروں کا پہرہ

دیتا ہے۔ اگرچہ تم اس کے ساتھ بے وفائی ہی کرتے ہو۔ کیسی نرالی کتاب ہے۔ حافظ کی شان دیکھو۔ چھوٹا سا سینہ ہے۔ تیس پارے اس میں محفوظ ہیں۔ قرآن بھی تمہارا خیرخواہ اور تمہارا نبی بھی خیرخواہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں جب دُنیا سے رُخصت ہونے لگا تو اُمت کے لیے دُعا کرتا رہوں گا اور حوضِ کوثر پر انتظار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔ سب سے بڑا داعی اللہ ہے۔ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لیے بھیجا تھا کہ خُدا کے دین کی طرف دعوت دیں۔ جب زیادہ ضرورت پڑی تو شان والے نبی کو بھیج دیا۔ فرمایا: أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ کام بڑا تھا انتظار بڑا فرمادیا۔

بحمد اللہ آج بھی دین کی دعوت جاری ہے۔ جو جگہیں بچ گئی تھیں وہاں کلمات حقہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا دُنیا پر کوئی ٹکڑا ایسا نہیں ہوگا جہاں دین کی آواز نہیں پہونچے گی۔ بلوچستان میں جاؤ۔ جہاں پانی نہیں ملتا تھا۔ وہاں لا الٰہ الا اللہ کی آواز آتی ہے پہاڑوں میں پچاس سے زیادہ قرآن مجید کے درس ہیں۔ پانی کے چشمے جاری ہو رہے ہیں۔

تو بات سمجھا رہا تھا۔ رمضان کا مہینہ ہے اپنے کردہ گناہوں کی معافی مانگو۔ رب کو راضی کرلو۔ رمضان کا پوری طرح احترام کرو۔ ورنہ ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔ جنہوں نے قرآن کو سینے سے لگایا وہ کامیاب ہوگئے اور جنہوں نے قرآن کو چھوڑا وہ خسارہ میں مُبتلا ہوگئے۔ فرمایا پختہ توبہ کرو اور آئندہ کے لیے عہد کرو کہ قرآن والوں کا ساتھ دیں گے۔ قرآن کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ فرمایا:

ان ربك من بعدها لغفور رحیم۔

اللہ ضرور معاف کرے گا۔

رمضان کے بعد انتخاب بھی آرہا ہے۔ پہلے غلطی ہوگئی ہے۔ تو اس دفعہ خیال رکھنا۔ تم نے منظر بھی دیکھ لیا۔ کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دین کی سمجھ دے اور حسنِ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ادارہ کی طرف سے

قارئین اور اہلِ وطن کو عید مبارک

بقیہ: کشکول

(۱۴) تین قسم کے نشے بہت تیز ہیں:- (۱) نشۂ دولت، (۲) نشۂ حُسن (۳) نشۂ علم۔ ان میں سے دو زوال پذیر اور نشۂ علم ترقی پذیر ہے۔

(۱۵) پانچ چیزیں فساد کی جڑ ہیں۔ یعنی بُنیادِ فساد:- زن(۱) زبان(۲)۔ زمین(۳)۔ زور(۴) اور زر(۵)۔

(۱۶) چھ چیزوں کا قحط ہے:- (۱) اتفاق کا پاکستان میں (۲) نفاق کا انگلستان میں (۳) آدمیت کا سارے جہان میں (۴) وفاداری کا انسان میں (۵) کفایت شعاری کا مسلمان میں (۶) تشخیصِ مرض کا نیم حکیم خطرۂ جان میں۔

(۱۷) سات آدمی ایسے ہیں جو قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گے، جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۱) عادل بادشاہ یا حاکم (۲) نوجوان عابد (جوانی شباب پہ ہے مگر اپنے اللہ کی یاد سے غافل نہیں)۔ (۳) محض اللہ کے لیے دوستی رکھنے والا۔ اپنی غرض یا مطلب کچھ نہ ہو۔ (۴) خوب صورت عورت کے طلب کرنے پر صرف خوفِ خُدا سے زنا سے بچنے والا۔ (۵) تنہائی کے اندر خدا سے ڈرنے والا کہ کہیں کوئی گناہ کا کام نہ ہو جائے۔ (۶) مسجد کے ساتھ دل لگانے والا۔ ظہر پڑھ کر آیا ہے۔ دل بے چین ہے کہ عصر کا وقت ہو تو مسجد کو جاؤں (۷) چھپا کر خیرات کرنے والا (یہ بھی پتہ نہ رہے کہ دائیں ہاتھ سے کیا دیا۔)



عرفات کا میدان ہے عشاق کی منزل

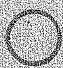
لبیک کی تانوں سے ہیں معمور فضائیں
تہلیل کے نغمات سے ہمدوش ہوائیں
محبوب کی بستی میں یہ مستانہ صدائیں
بندوں کا خدا سنتا ہے بندوں کی دعائیں
عرفات کا میدان ہے عشّاق کی منزل

ہر آنکھ ہے مخمور عبادت کے نشے میں
ہر چہرہ منور ہے صداقت کے نشے میں
سرشار ہیں حجّاج سعادت کے نشے میں
ذرّے بھی فروزاں ہیں محبّت کے نشے میں
عرفات کا میدان ہے عشّاق کی منزل

یہ کس لیے پھرتے ہیں سرگرداں وجویاں
ہیں ایک ہی انداز میں فرزانہ ونا داں
خادم ہیں محمدؐ کے یہ دیوانۂ یزداں
قرآں کی زباں کہتی ہے ان کو ہی مسلماں
عرفات کا میدان ہے عشّاق کی منزل

اسلام کے خادم ہیں براہیمؑ کے مظہر
تسلیم کے خوگر ہیں یہ اخلاق کے پیکر
تاروں سے بھی اونچا ہے کہیں ان کا مقدّر
کب ہوگا بھلا زیر فلک ان کا کوئی ہمسر
عرفات کا میدان ہے عشّاق کی منزل

دال دین انور



ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۲۵ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۷۳



از شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

چند مقتدر علماء کرام کی آراء

○ جناب مستطاب مولانا احمد علی صاحب لاہوری دام ظلہ کی خدمت ظہور میں آئی ہو جا بجا سے متفرق دیکھی، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ماضی و مستقبل میں اس کی نظیر ناممکن ہے مگر یہ کہنا بے جا نہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک بہت بڑی خدمت جناب ممدوح سے لی اور اب انشاء اللہ العزیز عوام و خواص دونوں طبقے اس تفسیر سے اپنی تشفی کرسکیں گے۔

——— (حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری ؒ)

○ میں نے مولانا موصوف کی یہ تحریر درباره ربط آیات قرآنیہ و ایضاح معانی فرقانیہ مختلف مقامات سے دیکھی بحمد اللہ نہایت مفید اور کارآمد تحریر پائی۔ دلچسپ اور صحیح و ضروری مضامین کا خلاصہ اس طرح اس میں بھر دیا گیا ہے کہ عوام اور خواص دونوں کو بہت زیادہ آسانی کے ساتھ ذخیرہ گرانمایہ ہاتھ آ سکیگے

——— (حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ)

○ اس تفسیر کو اول سے آخر تک نہایت غور سے دیکھا ہے اور دیکھنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے
• اول سے آخر تک کوئی بات ایسی نہیں پائی جو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہو • ربط آیات اس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس کی نظیر زمانہ ماضیہ میں معدوم الوجود ہے • مطالب و مضامین قرآن حکیم کی تشریح میں خیر الکلام ما قل و دل کے مطابق اختصار بھی ہے اور باوجود اختصار کے پیرایۂ بیان نہایت سہل و سلیس ہے

(حضرت مولانا سلطان محمود صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری)

——— ھدیہ ———

۲۵ روپے

باہتمام مولانا ... بغرض تالیف و اشاعت انجمن خدام الدین وادارہ نشر ازدواجیہ